# ''مثنوی رومی'' میں ذکرِ خیرالانام ؐ

خواجہ عبدالحمید یزدانی

## دفترِ اول

''مثنوی رومی'' کو فارسی زبان کا قرآن[1] کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں حضور پاکؐ کی بیسیوں احادیثِ مبارکہ کی تشریح و تفسیر بھی کی گئی ہے۔ ظاہر ہے اس صورت میں ''مثنوی'' میں حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر ایک لابدی امر تھا۔ چنانچہ ''مثنوی رومی'' میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد نبی اکرمؐ کا ذکرِ مبارک کہیں ایک آدھ شعر میں اور کہیں زیادہ اشعار میں ملے گا۔ یہ ذکرِ بہجت افزا کہیں تو برسبیل تذکرہ آیا ہے، کہیں حضور پاکؐ سے منسوب کسی واقعے کے ذیل میں اور کہیں، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، تفسیرِ حدیث کے ضمن میں نظر آتا ہے۔ بہرحال مولانا روم نے جس شعر میں بھی اور جس انداز میں بھی نبی مکرمؐ کا ذکر کیا ہے وہ ان کی پیغمبرِ خداؐ سے بے پناہ عقیدت و ارادت مندی اور والہانہ شیفتگی کا مظہر ہے۔ تصنیفِ ''مثنوی'' سے قبل رسولِ کریمؐ سے مولانا کی اس عقیدت و شیفتگی کا اظہار و انداز، بقول فریدون سپہ سالار کے، ہر اُس عبادت و ریاضت میں ان کی مشغولیت[2] کی صورت میں تھا جو سرورِ کائناتؐ سے منقول تھی۔ جب شمس تبریز سے ملاقات کے بعد ان میں عظیم تبدیلی آئی اور اُنھوں نے اپنی مشہورِ عالم ''مثنوی'' لکھنا شروع کی تو عشقِ رسولِ مقبولؐ بھی شعر کی شکل میں ڈھلتا چلا گیا، جس کی واضح صورت اس مضمون میں نظر آئے گی۔ ایسے

---

۱- مثنویٔ معنویٔ مولوی ہست قرآن در زبانِ پہلوی

۲- یوسف جمشیدی پور، ''مکتوباتِ مولانا جلال الدین ھد''، ص ۱۳۰۔

اشعار میں مولانا نے سرکارِ دو عالمؐ کو محمدؐ ، مصطفیٰؐ ، احمدؐ صدر صدورؐ سرِ پیغمبرانؐ ، بحرِ صفاؐ ، روح الامینؐ اور سیدؐ وغیرہم ایسے اسما و القاب سے یاد کیا ہے ۔ اس مضمون میں ایسے اشعار کو سیاق و سباق کے ساتھ پیش کیا گیا ہے تا کہ مختلف مقامات پر آمدہ حضورؐ کے ذکرِ روح پرور کا سبب و مفہوم اور اہمیت وغیرہ واضح ہو سکے ۔

''مثنوی رومی'' میں سید الاولین والآخرینؐ کا ذکرِ سعادت اثر پہلے پہل ''مصطفیٰؐ'' کے نام سے دفتر اول کی داستانِ بادشاہ و کنیز میں آیا ہے ۔ اس میں بادشاہ نے خود کو حضرت عمرؓ سے اور حکیمِ غیبی کو مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تشبیہ دی ہے :

اے مرا تو مصطفیٰؐ من چون عمرؓ　　از برائے خدمتت بندم کمر[۳]

ایک جگہ مومن اور منافق کا فرق بیان کرتے اور مؤخرالذکر کو ہدف بناتے ہوئے حضور اکرمؐ کی حدیث ''استفت قلبک وار افتاک المفتون ۔ ۔ ۔''[۴] کا حوالہ دیا گیا ہے ۔ یہاں مولانا منافق کو دوزخی قرار دیتے ہوئے ''لفظ و معنی'' کی بحث چھیڑتے ہیں ۔ ان کے مطابق اس نام (یعنی منافق) میں برائی حرف کی وجہ سے نہیں ہے ۔ اسی طرح سمندر کے اس پانی کی تلخی اس کے ظرف کے سبب نہیں ۔ حرف تو ظرف ہے جس میں ''معنی'' کی حیثیت پانی کی ہے ۔ اب مولانا بحر کے حوالے سے کتاب اللہ کو ''بحرِ معنی'' کے لقب سے یاد اور بعض آیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن میں بحرِ تلخ اور بحرِ شیریں کا ذکر ہے جو ساتھ ساتھ بہ رہے ہیں لیکن دونوں کے درمیان پردہ حائل ہے اور وہ باہم نہیں مل سکتے ۔[۵] ان دونوں کی اصل ایک ہے ، لیکن ایک زرِ اصلی اور دوسرا زرِ قلب ہے اور ان کو پرکھنے کے لیے محک کا ہونا ضروری ہے ، اور یہ محک خدا کی دین ہے ، جسے عطا ہو جائے وہ یقین اور شک میں فرق کر سکتا ہے ۔ اور

---

۳۔ ''مثنوی شریف'' دفتر اول ، ص ٦ ۔

۴۔ فتویٰ اپنے دل سے طلب کر ، ہر چند مفتی تجھے فتویٰ دیں کہ دل آئینۂ ربانی ہے ۔

۵۔ سورۂ رحمٰن ۱۹۰-۲۰ : ''مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لایبغیان'' ۔

ایسے ہی صلحا اور اہلِ وفا حدیث ''استفت قلبک ۔ ۔ ۔ الخ'' کے مخاطب اور اس کے معنی کے ادراک کنندہ ہیں ۔ اس کے بعد مولانا نے مومن اور منافق یا اہلِ اللہ اور اہلِ ریا میں فرق جاننے اور اُنھیں پرکھنے کے ضمن میں بعض سادہ ، فطری اور اچھوتی مثالیں دی ہیں ، اور مخاطب کو حسِ دنیا کے بجائے حسِ عقبیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا درس دیا ہے ۔ پھر وہ مذکورہ موضوع کی مزید وضاحت اور اہلِ اللہ کی تلاش میں احتیاط کے بیان میں شکاری کی تمثیل لاتے ہیں جو پرندوں کو جال میں پھانسنے کے لیے پرندوں کی سی آوازیں نکالتا ہے اور پرندے دھوکا کھا کر جال میں پھنس جاتے ہیں ۔ اسی طرح اہلِ ریا ، جو شیطان ہیں ، خدا کے سادہ بندوں کو پھانسنے کے لیے مختلف حیلے بہانے کرتے رہتے ہیں ، لیکن آخر ان کی یہ فریب کاری ، افترا پردازی اور بےشرمی آشکار ہو کر رہتی ہے ۔ چنانچہ ہر چند ایسے لوگوں نے بومسیلمہ ایسے جھوٹے مدعی نبوت کو ''احمد'' کے لقب سے پکارا مگر انجام کار وہ کذاب ہی کہلایا اور حق و صداقت کے علم بردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی اولوالالباب کہلائے :

زرِ قلب و زرِ نیکو در عیار   بی محک ہرگز ندانی ز اعتبار
ہر کرا در جان خدا بنہد محک   ہر یقین را باز داند او ز شک
آنچہ گفت ''استفت قلبک'' مصطفیٰؐ   آن کسی داند کہ پر بود از وفا

• • •

حسِ دنیا نردبانِ این جہان   حسِ عقبیٰ نردبانِ آسمان
صحتِ این حس بجوئید از طبیب   صحتِ آن حس بجوئید از حبیب
صحتِ این حس ز معموری تن   صحتِ آن حس ز تخریبِ بدن

• • •

آن یکی را روی او شد سوی دوست   وین یکی را روی او خود روی دوست
روی ہر یک مینگر میدار پاس   بوکہ گردی تو ز خدمت بوشناس
چون بسی ابلیس آدم روی ہست   پس بہر دستی نشاید داد دست
زانکہ صیاد آورد بانگ صفیر   تا فریبد مرغ را آن مرغ گیر
بشنود آن مرغ بانگ جنس خویش   از ہوا آید بیابد دام و نیش
حرف درویشان بدزدد مرد دون   تا بخواند بر سلیمی زان فسون

کار مردان روشنی و گرمی ست کار دونان حیله و بے شرمی ست
شیر پشمین از برای کد کنند بو مسیلم را لقب احمد کنند
بو مسیلم را لقب کذاب ماند مر محمد را اولوالالباب ماند
آن شراب حق خناشش مشک ناب بادہ را ختمش بود گند و عذاب[۶]

پہلے دفتر میں نصاریٰ اور وزیر کے درمیان گفتگو کے ذیل میں حضورؐ کو صدر صدور کے لقب سے یاد کیا گیا ہے ۔ یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ انسان نفس کے ایک جال سے نکلتا ہے تو وہ اسے کسی دوسرے جال میں پھانس لیتا ہے ، اور یوں انسان کے اعمالِ صالح ضائع ہوتے رہتے ہیں ۔ مولانا نے اس صورتِ حال کو گندم کے ڈھیر اور چوہے کی تمثیل سے واضح کیا ہے ۔ چوہا چوری چھپے گندم کے ڈھیر سے کھاتا رہتا ہے ۔ اس کی خبر مالک کو اس وقت ہوتی ہے جب گندم کا بہت بڑا حصہ تلف ہو چکا ہوتا ہے ۔ اسی طرح نفس کا چوہا اعمالِ صالح کی گندم کے تھیلے میں سوراخ کر کے اسے نقصان پہنچاتا رہتا ہے ۔ مولانا کے نزدیک اس سے بچنے کا علاج سرکارِ دو عالم صلعم کی اس حدیث میں ہے کہ ''حضورِ قلب کے بغیر نماز صحیح نہیں ہے'' ، اس لیے کہ اگر بے حضوری ہو تو نماز محض جنبشِ اعضا ہوگی ۔ گویا ان طریقوں سے یہ نفس انسان کی مدتوں کی عبادات و اعمال کو گندم تلف کرنے والے چوہے کی مانند ضائع کر دیتا ہے ۔ اس حصے کے شروع میں وزیر کے مکر کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ رسول پاکؐ کے صحابہ کرامؓ اکثر آپؐ سے نفس کے مکر و فریب کے بارے میں پوچھا کرتے تھے کہ وہ کون سی پوشیدہ اغراض ہیں جنھیں یہ نفسِ مکار عبادات میں ملا کر انھیں ضائع کر دیتا ہے ۔ ان صحابہؓ کی یہ ستودہ عادت تھی کہ وہ ظاہری فضل و بزرگی کی تلاش کے بجائے باطنی عیوب پر نظر رکھتے تھے جس کے سبب وہ نفس کے مکر کو پوری طرح جانتے پہچانتے تھے ۔ اس کے بعد مولانا نے مکرِ نفس سے بچنے کی بڑی عاجزانہ دعا کی ہے :

ہر ایں معنی صحابہؓ از رسولؐ ملتمس بودند مکر نفس غول

---

۶۔ ''مثنوی شریف'' ، دفتر اول ، ص ۱۱ ، ۱۲ ۔

کو چہ آمیزد ز اغراض نہان　　در عبادت ہا و در اخلاص جان
فضل ظاہر را نجستندی ازو　　عیب باطن را بجستندی کہ کو
موبمو و ذرہ ذرہ مکر نفس　　می شناسیدند چون گل از کرفس

* * *

صد ہزاران دام و دانہ است ای خدا　　ما چو مرغان حریص بی نوا
دمبدم پابستۂ دام نویم　　ہریکی گر باز و سیمرغی شویم
میرہانی ہردمی ما را و باز　　سوی دامی میرویم ای بی نیاز
ما درین انبار گندم می کنیم　　گندم جمع آمدہ گم می کنیم
می نیندیشیم آخر ما بہوش　　کاین خلل در گندمست از فکر موش
موش تا انبار ما حفرہ زدہ است　　وز فنش انبار ما ویران شدہ است
اول ای جان دفع شر موش کن　　و آنگہ اندر جمع گندم جوش کن
بشنو از اخبار آن صدرِ صدورؐ　　''لا صلوٰۃ تم الا بالحضور''
گر نہ موشی دزد در انبار ماست　　گندم اعمال چل سالہ کجاست[۷]

حضور صلعم کے اسم مبارک کی تعظیم کے ثمرات و برکات اور عدم تعظیم کی صورت میں ذلت و خواری کا ذکر مذکورہ وزیر ہی کی داستان میں یوں بیان ہوا ہے کہ انجیلِ مقدس میں نبی کریمؐ کا نام نامی ، حلیہ مبارک اور آپؐ کے غزوات اور روزہ وغیرہ کا ذکر موجود تھا ۔ بہت سے نصرانی جب دورانِ مطالعہ اس ذکرِ خیر تک پہنچتے تو ثواب کی خاطر آپؐ کے اسم گرامی کو بوسہ دیتے اور تعظیم کے طور پر اس جگہ چہرہ سائی کرتے ۔ اس کے نتیجے میں وہ لوگ غیر نصرانی مقتدرین کے ہر قسم کے ظلم و ستم اور فتنوں سے محفوظ رہے اور حضور اکرمؐ کی اس تعظیم کی بدولت وہ لوگ خوب پھلے پھولے ۔ دوسری طرف نصرانیوں کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جس کا رویہ اس کے بالکل برعکس تھا ۔ نتیجۃً ان کے دین اور دنیا دونوں خراب ہوئے اور ذلت و خواری ان کا مقدر بنی ۔ مولانا یہاں فرماتے ہیں کہ جب حضور نبی کریمؐ کا اسم مبارک اس قدر حامی و ناصر اور باعثِ حفظ و خیر و برکت ہے تو آپ کی ذات گرامی کیسی

---

۷۔ ''کتابِ مثنوی'' ، ص ۱۱ ۔

ہوگی ؟ اس حصے میں حضورؐ کو مصطفیٰؐ ، احمدؐ ، بحرِ صفا ، سر پیغمبران اور روح الامینؐ کے اسما و القاب سے یاد کیا گیا ہے :

بود در انجیل نام مصطفیٰؐ — آن سرِ پیغمبرانؐ ، بحرِ صفاؐ
بود ذکر حلیہا و شکل او — بود ذکر غزو و صوم و اکل او
طایفۂ نصرانیان بہر ثواب — چون رسیدندی بدان نام و خطاب
بوسہ دادندی بدان نام شریف — رو نہادندی بر آن وصف لطیف
اندریں فتنہ کہ گفتم ، آن گروہ — ایمن از فتنہ بدند و از شکوہ
ایمن از شرِ امیران و وزیر — در پناہ نام احمدؐ مستجیر
نسل ایشان نیز ہم بسیار شد — نور احمدؐ ناصر آمد یار شد
و آن گروہ دیگر از نصرانیان — نام احمدؐ داشتندی مستہان
مستہان و خوار گشتند از فتن — از وزیر شوم رای شوم فن
مستہان و خوار گشتند آن فریق — گشتہ محروم از خود و شرط طریق
ہم مخبط دین شان و حکمشان — از پی طومار ہای کژ بیان
نام احمدؐ چون چنین یاری کند — تا کہ نورش چون مدد کاری کند
نام احمدؐ چون حصاری شد حصین — تا چہ باشد ذات آن روح الامینؐ[٨]

درجِ ذیل اشعار میں آپؐ کا ذکر احمدؐ ، محمدؐ اور سیدؐ کے اسما سے آیا ہے ۔ موضوع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کا پردہ فاش کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص اللہ والوں کی تحقیر و تذلیل اور ان پر طعن و تمسخر کی طرف مائل ہو جاتا ہے ۔ اس ضمن میں یہ مختصر کہانی دی گئی ہے :

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ، شرارت کے طور پر ، منہ ٹیڑھا کر کے لیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا منہ سچ مچ ٹیڑھا ہو گیا ۔ بھاگم بھاگ حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں پہنچا اور اپنی اس گستاخی کی معافی چاہی ۔ یہاں رومی نے حضورِ حق عاجزی اور گریہ و زاری کی برکت بیان کی ہے ۔ پھر یہ کہہ کر کہ نبی اکرمؐ نے اُس شخص کو معاف فرما دیا ، مولانا کمزوروں پر رحم کرنے کی تلقین کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے :

---

٨- ایضاً ، ص ٢٠ ، ٢١ ۔

آن دہن کژ کرد و از تسخر بخواند | نام احمدؐ را ، دہانش کژ بماند
باز آمد کای محمدؐ عفو کن | ای ترا الطاف علم ''من لدن''
من ترا افسوس میکردم ز جہل | من بدم افسوس را منسوب و اہل
چون خدا خواہد کہ پردۂ کس درد | میلش اندر طعنۂ پاکان برد
ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس | کم زند در عیب معیوبان نفس
چون خدا خواہد کہ مان یاری کند | میل مارا جانب زاری کند
ای خنک چشمی کہ او گریان اوست | ای ہمایون دل کہ او بریان اوست
از پی ہر گریہ آخر خندہ ایست | مرد آخر بین مبارک بندہ ایست
ہر کجا آب روان ، سبزہ بود | ہر کجا اشک روان ، رحمت شود
باش چون دولاب نالان چشم تر | تا ز صحنِ جانت بر روید خضر
مرحمت فرمود سیدؐ عفو کرد | چون ز جرئت توبہ کرد آن روی زرد
رحم خواہی رحم کن بر اشکبار | رحم خواہی بر ضعیفان رحمت آر[۹]

دفتر اول ہی میں ایک جگہ جہد اور توکل کی بحث میں سرورِ کونینؐ کی ایک حدیث اور سنت کا ذکر آیا ہے ۔ جنگل کے جانور شیر کو توکل و قناعت کی زندگی بسر کرنے پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں لیکن شیر جہد کا قائل اور اسے توکل سے افضل جانتا ہے ، اور اس سلسلے میں درجِ ذیل پس منظر کی حامل یہ حدیثِ رسول صلعم پیش کرتا ہے کہ پہلے اونٹ کے زانو باندھو پھر توکل کرو ۔

ایک مرتبہ کوئی اعرابی اپنے اونٹ کو کھلا چھوڑ کر اس بات کا مدعی ہوا کہ اس نے اسے اللہ کے توکل پر کھلا چھوڑ رکھا ہے ۔ حضور سرورِ دو عالمؐ کو اس کا پتا چلا تو آپؐ نے فرمایا کہ پہلے اس کے پاؤں باندھو پھر اللہ پر توکل کرو ۔ ان چند اشعار میں مولانا نے شیر کی زبانی اور حضور صلعم کی حدیث کے حوالے سے جد و جہد اور عملِ پیہم کا درس دیا ہے ۔ شیر دوسرے جانوروں سے مخاطب ہے :

گفت ''آری گر توکل رہبر است | این سبب ہم سنت پیغمبرؐ است''
گفت پیغمبرؐ بآوازِ بلند | با توکل زانوی اشتر ببند

---

۹۔ ایضاً ، ص ۲۳ ۔

رمز ''الکاسب حبیب اللہ'' شنو — از توکل در سبب کاہل مشو
رو توکل کن تو باکسب ای عمو — جہد میکن کسب میکن موبمو
جہد کن جدی نما تا وا رہی — ور تو از جہدش بمانی ابلہی[۱۰]

اس سے ذرا آگے ظاہر و باطن کی بحث میں مؤخرالذکر کو افضل قرار دیتے ہوئے نبی کریمؐ اور ابوجہل کی مثال پیش کی گئی ہے ۔ مولانا کے مطابق اگر صورت ہی کے لحاظ سے آدمی کا انسان ہونا قرار پاتا تو احمدؐ اور ابوجہل ایک جیسے ہی ہوتے ۔ حضورؐ اور ابوجہل دونو بت خانے جاتے ہیں لیکن دونوں کے اس جگہ جانے میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ نبی کریمؐ وہاں تشریف لے جائیں تو بت مارے تعظیم کے جھک جھک جائیں اور ابوجہل جائے تو خود ان بتوں کی پرستش اور تعظیم میں لگ جائے ۔ یہاں مولانا روحانیت و معنویت کی تلاش پر زور دیتے ہیں ۔ ان کا کہنا ہے کہ تصویرِ آدمی اور خود آدمی صورت کے لحاظ سے ایک ہی ہیں لیکن اول الذکر میں ایک کمی ہے اور وہ کمی روح کی ہے ۔ بس اسی روح یا گوہرِ نایاب کی جستجو کرو ۔ اسی روحانیت کی بنا پر سگِ اصحابِ کہف کو شیروں پر فضیلت حاصل ہوئی :

چند صورت آخر ای صورت پرست — جان بی معنیت از صورت نرست
گر بصورت آدمی انسان بدی — احمدؐ و بوجہل ہم یکسان بدی
احمدؐ و بوجہل در بتخانہ رفت — زین شدن تا آن شدن فرقیست زفت
این در آید سر نہند آنرا بتان — و آن در آید سر نہد چو اُستان
نقش بر دیوار مثل آدم است — بنگر از صورت چہ چیز او را کم است
جان کم است آن صورت بیتاب را — رو بجو آن گوہر کمیاب را

---

۱۰۔ ''مثنوی شریف'' ، دفتر اول ، ص ۲۶ ۔ اس سے قبل بھی اسی ضمن میں شیر کی زبانی یہ حدیثِ مبارک پیش کی گئی ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا :

گفت آری گر وفا بینم نہ مکر — مکر با بس دیدہ ام از زید و بکر
من ہلاک قول و فعل مردمم — من گزیدہ زخم مار و کژدمم
گوش من ''لایلدغ المومن'' شنید — قول پیغمبرؐ بجان و دل گزید

شد سر شیرانِ عالم جملہ پست  چون سگ اصحاب را دادند دست[۱۱]

کہتے ہیں کہ حضورؐ ختمی مرتبت ایک مرتبہ کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے تو آپؐ نے فرمایا کہ ہم جہادِ اصغر سے واپس آ چکے ۔ اب جہادِ اکبر کی نوبت ہے ۔ اور اس سے حضورؐ کی مراد مجاہدۂ نفس تھا ۔ مولانا رومی نے اسی حدیث ''رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر'' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے نفس کو ہدفِ تنقید بنایا ہے ۔ مولانا کہتے ہیں کہ ہم نے بیرونی دشمن کو تو ختم کر ڈالا ۔ اب اس سے زیادہ خطرناک اندرونی دشمن کی باری ہے ۔ اس نفس کو وہ شیر سے تشبیہ دیتے ہیں جسے مارنا خرگوش یعنی عقل و ہوش کے بس کی بات نہیں ۔ یہ نفس ایسا دوزخ ہے جسے ہزاروں دریا بھی ٹھنڈا نہیں کر سکتے اور جس کی پیاس سمندروں کے پانی سے بھی بجھ نہیں پاتی ۔ اس کے آگے بڑے بڑے دل گردے والے بھی خوار و زبوں ہیں ۔ یہ دوزخ بے حد و حساب غذا کے بعد بھی ''ہل من مزید'' کا نعرہ لگاتی ہے ۔ یہ اسی وقت ساکن ہوگی جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا ، اور چونکہ انسانی نفس دوزخ کا جزو ہے اور جزو اپنے کل ہی کی طبع پر ہوتا ہے ، اس لیے اس دوزخ یعنی نفس کو بھی خدا ہی مار سکتا ہے ۔ اس کی کمان کو زہ کرنا کسی دوسرے کی مجال نہیں ۔ یہاں مولانا کمان کی رعایت سے مخاطب کو ''راست'' رہنے کا درس دیتے ہیں تاکہ وہ کمانِ نفس سے باہر نکل سکے کیونکہ صرف تیرِ راست ہی کمان سے نکل سکتا ہے ۔ پھر وہ مجاہدۂ نفس کا ذکر کر کے مذکورہ حدیث لاتے اور جہادِ اکبر میں خود کو حضور اکرمؐ کے ہمراہی کہتے ہیں ۔ رومی خدا سے ایسی زبردست اور دریا شگاف طاقت کے طالب ہیں جس کی بدولت وہ سوئی ایسی معمولی شے سے نفس کے کوہ قاف کو اکھاڑ پھینکیں ۔ ان کے مطابق صف شکن ہونا کوئی بڑی بات نہیں ، سب سے بڑی بہادری خود شکنی ہے ۔ نفس شکن ہی خدا کے فضل و کرم سے شیرِ خدا بنتا اور نفس اور اس کی فرعونیت سے نجات پاتا ہے :

ای شہان کشتیم ما خصم برون  ماند زو خصمی بتر در اندرون
کشتنِ ایں کارِ عقل و ہوش نیست  شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست

---

۱۱۔ ''کتابِ مثنوی'' ، ص ۲۸ ۔

دوزخ ست این نفس و دوزخ اژدہاست کو بدریاہا نگردد کم و کاست
''سیر گشتی سیر ؟'' گوید نی ہنوز اینت آتش اینت تابش اینت سوز

* * *

عالمی را لقمہ کرد و در کشید معدہ اش نعرہ زنان ''ہل من مزید''
حق قدم بر وی نہد از لامکان آنگہ او ساکن شود از کن فکان
چونکہ جزوِ دوزخست این نفسِ ما طبعِ کل دارد ہمیشہ جزو ہا
این قدم حق را بود کو را کشد غیر حق خود کہ گمان او کشد
در گمان تنہند الا تیرِ راست این گمان را باژگون کژ تیرہا ست
راست شو چون تیر و وا رہ از گمان کز گمان ہر راست بجہد بیگمان
چون کہ وا گشتم ز پیکار برون روی آوردم بہ پیکار درون
قد رجعنا من جہادِ الا صغریم ۔ ۔ ۔ با نبیؐ اندر جہادِ اکبریم
قوتی خواہم ز حق دریا شگاف تا بسوزن بر کنم این کوہ قاف
سہل شیری دان کہ صفہا بشکند شیر آنست آنکہ خود را بشکند
تا شود شیر خدا از عونِ او وا رہد از نفس و از فرعونِ او[۱۲]

دفتر اول میں ہندوستان جانے والے سوداگر اور طوطے کی کہانی کے ذیل میں ایک جگہ حکیم سنائی کے ایک شعر[۱۳] کی تفسیر کے ساتھ حضور صلعم کی ایک حدیث ''ان سعد الغیور ۔ ۔ ۔ الخ''[۱۴] کے معنی بیان کیے ہیں ۔ چونکہ بجز عنوان کے اس حصے کے اشعار میں نبی کریمؐ کا ذکرِ خیر نہیں آیا اس لیے اِس سے صرف نظر کیا جاتا ہے ۔

اس سے چند اشعار کے بعد مولانا نے سرورِ کونینؐ کی چار احادیث کا ذکر اور ایک موقع پر بارش میں آپؐ کے نہ بھیگنے کا واقعہ بیان کیا ہے ۔

---

۱۲۔ ''مثنوی شریف'' ، دفتر اول ، ص ۳۸ ۔
۱۳۔ ملاحظہ ہو ''کتاب مثنوی'' ، ص ۴۷ :
ہر چہ از راہ وامانی چہ کفر آن حرف و چہ ایمان
ہر چہ از دوست دور افتی چہ زشت آن نقش و چہ زیبا
۱۴۔ یقیناً سعدؓ بہت غیرت مند ہے اور میںؐ سعدؓ سے بھی زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے اور اس نے اپنی غیرت ہی کے باعث ہر قسم کے فواحش کو حرام قرار دیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ خفی ۔

اس حصے میں حضورؐ کا ذکرِ مبارک کئی اشعار کو محیط ہے ۔

حدیث مبارک ہے ''من کان للّٰہ کان اللہ لہ'' (جو کوئی اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے) ۔ یہ حدیث بیان کرکے مولانا نے بالواسطہ اور بلا واسطہ اکتسابِ نور کے نظریے پر روشنی ڈالی ہے ۔ ان کا کہنا ہے کہ جس طرح لوہا آگ میں پڑ کر سرخ ہو جاتا ہے اور اس طرح آگ کی بعض صفات اس میں در آتی ہیں ، اسی طرح اللہ کے خاص بندے بھی مقامِ کمال پر پہنچ کر خدائی صفات سے متصف ہو جاتے ہیں ۔ رومی کے مطابق نورِ الٰہی کا طالب براہِ راست اللہ تعالیٰ سے بھی کسبِ نور کر سکتا ہے اور نورِ ازلی سے منور اولیا اللہ سے بھی ۔ ۔ ۔ یہاں مولانا خدا کی طرف سے جوہرِ انسانیت میں اسما کا علم رکھے جانے کا ذکر کرکے کہتے ہیں کہ انسان اس جوہر کو اجاگر کر کے نورِ معرفت حاصل کر سکتا ہے ۔ یہ گویا بالواسطہ اکتساب ہوگا جس کی اصل علم الٰہی کا نور ہی ہے ۔ پھر اس بات کو اس مثال سے واضح کیا گیا ہے کہ پانی براہِ راست ندی سے بھی لیا جا سکتا ہے اور اس برتن سے بھی جو اس ندی سے بھرا گیا ہو ۔ دوسری مثال سورج اور چاند کی روشنی کی ہے (یعنی چاند سورج ہی کی روشنی سے منور ہوتا اور پھر نور پھیلاتا ہے) ۔

مولانا اسی طرح مختلف تمثیلات سے مذکورہ نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے ستاروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ وہ بھی روشنی دیتے اور مسافروں کو راہ دکھاتے ہیں ۔ اس ضمن میں نبی کریمؐ کی ایک اور حدیث کا حوالہ آ گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں ۔ تم جس کسی کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے ۔ اس کے ساتھ ہی تیسری حدیثِ مبارک ہے کہ خوشی ہے اس شخص کے واسطے جس نے مجھے دیکھا اور سات مرتبہ خوشی ہے اس کے لیے جس نے مجھے دیکھا اور جو مجھ پر ایمان لایا ۔ اس کے بعد مولانا اسی موضوع کو چراغ کی تمثیل سے روشن کرتے ہیں ، کہ ایک چراغ سے کئی چراغ جل سکتے ہیں ۔ نور ، خواہ تم پہلے چراغ سے حاصل کرو خواہ آخری چراغ سے ، اس میں کوئی فرق نہیں ۔ نورِ الٰہی وہی ہے جس کے ذریعے سے چراغ جلتا ہے :

آب خواہ از جو بجو ، خواہ از سبو  کاہن سبو را ہم مدد باشد ز جو

نور خواہ از مہ بجو خواہی ز خور — نور مہ ہم ز آفتاب ست ای پسر
مقتبس شو زود چون یابی نجوم — گفت پیغمبرؐ کہ "اصحابی نجوم"
گفت "طوبیٰ من رآنی" مصطفیٰؐ — "والذی یبصر لمن وجہی رآی"
چون چراغی نور شمعی را کشید — ہر کہ دید آنرا یقین آن شمع دید
ہمچنین تا صد چراغ ار نقل شد — دیدن آخر لقای اصل شد
خواہ از نور پسین بستان تو آن — ہیچ فرق نیست خواہ از شمع دان
خواہ نور از اولین بستان بجان — خواہ از نور پسین ، فرق مدان
خواہ بین نور از چراغ آخرین — خواہ بین نورش ز شمع غابرین ۱۵

چوتھی حدیث جس کی تفسیر بیان کی گئی ہے "ان لربکم فی ایام دہر کم نفحات الا فتعرضو لہا" [یقیناً تمھارے زمانے کے دن تمھارے رب کے لیے خوشبو کی لپٹیں ہیں ۔ دیکھو ان لپٹوں سے تمتع حاصل کرو] ہے ۔ اس حصے میں نفحہ اور اوقات سے بحث کرتے ہوئے مولانا ان اوقات و نفحات کی طرف توجہ کرنے کو کہتے ہیں - پھر وہ نفحات کی مختلف اقسام بتاتے ہیں ، مثلاً ایک جھونکے سے آگ بجھ جاتی ہے ، ایک سے مردہ جسم میں جان آ جاتی ہے ، وغیرہ ۔ اسی ضمن میں قرآنی آیت کا حوالہ دیا ہے جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت زمین ، آسمانوں اور پہاڑوں کو پیش کی لیکن اُنھوں نے ڈر کے مارے اسے اٹھانے سے اجتناب برتا ، اور انسان نے اسے اٹھا لیا ، بے شک انسان بڑا ظالم اور جاہل ہے ۔ پھر مولانا بتاتے ہیں کہ لقمہ نے انسان کی لقمانی چھین لی ہے ، یعنی ہر انسان کو قدرت کی طرف سے حکمت و دانائی ودیعت ہوتی ہے لیکن حرص و ہوس کے سبب وہ حکمت کے اظہار سے محروم ہو جاتا ہے ۔ اس لقمے کی خاطر لقمان (انسان) کا یوں مضطرب ہونا بڑے افسوس کی بات ہے ۔ یہاں مولانا انسان کو روٹی کا اندھا ، دوسرے لفظوں میں ناشکرا اور ندیدہ ، اور اس کے لقمہٴ حرام کو ، جسے اس نے کھجور سمجھا ، کانٹا قرار دیتے ہیں ۔ یہ جانِ انسان گلستانِ الٰہی ہے ۔ یہ کانٹوں سے زخمی کیوں ہو ؟ اس جگہ بڑی پیاری اور

---

۱۵- "مثنوی شریف" ، دفتر اول ، ص ہ ، خلیفہ عبدالحکیم ، "تشبیہاتِ رومی" ، ص ۸۳ ، ۸۴ -

اچھوتی تمثیل سے انسانی ہوس کی تباہ کاری کو بیان کیا گیا ہے - بقولِ رومی روح اور وجود کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی انسان اُونٹ پر سوار ہو - اس اونٹ پر پھولوں کی ٹوکری لدی ہو جس کی خوشبو سے باغ بھی مہک اٹھتے ہوں - لیکن اُونٹ صرف کانٹوں ہی پر منہ مارتا چلا جاتا ہو - گویا انسان جو اپنی باطنی وسعتوں میں آفاق سے بھی بڑھ کر اور تمام عالموں کا تسخیر کنندہ ہے، محض ایک کانٹے کی خاطر ان روحانی اوصاف سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے :

گفت پیغمبرؐ کہ نفحتہائے حق — اندرین ایام می آرد سبق
گوش ہش دارید این اوقات را — در ربائید این چنین نفحات را
نفحہ ای آمد شما را دید و رفت — ہر کرا میخواست جان بخشید و رفت

* * *

جان آتش یافت زان آتش کشی — جان مردہ یافت از وی جنبشی
جان ناری یافت از وی انطفا — مردہ پوشید از بقای او قبا
تازگی و جنبش طوبیٰ ست این — ہمچو جنبشہای خلقان نیست این
گر در افتد در زمین و آسمان — زہرۂ شان آب گردد در زمان
خود ز بیم این دم بی منتہیٰ — باز خوان ''فابین ان یحملنہا''
ورنہ خود ''اشفقن منہا'' چون بُدی — گر نہ از بیمش دل کُہ خون شدی
دوش دیگر گونہ این میداد دست — لقمۂ چندین برآمد رہ ببست

* * *

خار دان آنرا کہ خرما دیدہ ای — زانکہ بس نان کور و بس نادیدہ ای
جان لقمان کہ گلستان خداست — پای جانش خستۂ خاری چراست
اُشتر آمد این وجود خار خوار — مصطفیٰ زادی[16] برین اُشتر سوار

* * *

اُشترا تنگ گلی بر پشت تست — کز نسیمش در تو صد گلزار رست
میل تو سوی مغیلان ست و ریگ — تاچہ گل چینی ز خار ای مردہ ریگ

* * *

---

۱۶- مراد : مسلمان -

آدمی کو می نگنجد در جہاں در سر خاری ہمی گردد نہاں ۱۷

اسی حصے میں پھر فخرِ موجودات ؐ کو بیشتر مصطفیٰ (صلعم) کے فرخندہ لقب سے یاد کیا گیا ہے ۔ منقول ہے کہ جب کبھی حضورِ اکرم ؐ ملالت و خستگی سے دو چار ہوتے تو فرماتے : اے حمیرا ؓ ۱۸! مجھ سے باتیں کرو ۔ یہاں مولانا نے جان کو حمیرا کہہ کر اس کی طرف توجہ کرنے کو کہا اور روح یا معنویت کی عظمت و پائندگی بیان کی ہے ۔ ان کے مطابق انسان ظاہری غذاؤں کی لذت و شیرینی سے محظوظ و لذت اندوز ہونے میں کوشاں رہتا ہے اور اسی بنا پر وہ رشوت و شہوت کی عارضی چاشنی پر مر مر جاتا ہے ۔ گویا وہ اس معاملے میں بالکل کور علم یا کور ذوق ہے ، اس لیے کہ یہ لذت و چاشنی جس کا تعلق خارجی اشیاء سے ہے ، آنی و فانی ہے ، یعنی جیسے ہی حاملِ شیرینی شے ختم یا غائب ہوئی شیرینی کا ذوق و احساس بھی جاتا رہا ۔ تو اگر روحِ انسان تاثیرِ وفا سے خود شکر بن جائے ، دوسرے لفظوں میں عشقِ الٰہی سے سرشار ہو جائے ، تو پھر اس شیرینی کے ختم یا غائب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ رومی کے نزدیک بے وفائی ـــــ انسان کی عشقِ حقیقی سے ہٹ کر ظاہری کیفیتوں اور لذتوں کے حصول کی دیوانہ وار کوشش ـــــ زہرِ محض ہے ۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ سے ''نعم الورا''۱۹ عطا کرنے کی دعا کرتے ہیں ۔

عشقِ الٰہی کی یہ ہمیشہ برقرار رہنے والی لذتیں اور نعمتیں عقل کی رسائی سے باہر ہیں ۔ عقلِ جزوی تو عشق کی سرے ہی سے منکر ہے ، ہر چند وہ خود کو صاحبِ اسرار ظاہر کرتی ہے ۔ اس کی ساری زیرکی و دانائی عشق کے آگے ہیچ ہے ۔ اس عقلِ محدود کا تعلق صرف انسانی قول و فعل سے ہے اور حال (عشق) کے معاملے میں وہ بے بس ہے ۔ اس موقع پر پھر حضورِ اکرم ؐ سے

---

۱۷- ''مثنوی شریف'' ، دفتر اول ، ص ۵۱ ، ۵۲ ، خلیفہ عبدالحکیم ، کتاب مذکور ، ص ۸۵ ۔

۱۸- حضور نبی کریم ؐ نے حضرت عائشہ ؓ کو حمیرا (سرخ عورت) کا لقب دے رکھا تھا ۔ آپ ؓ بڑی شیرین زبان تھیں (''مثنوی شریف'' ، دفتر اول ، حاشیہ ، ص ۵۲) ۔

۱۹- مراد اچھی وفا ۔

متعلق ایک واقعہ کا ذکر آ گیا ہے ۔ مولانا روح اور اس کی ندا کو ''کہال'' کہتے اور حضور ختمی مرتبتؐ کے اس ارشاد ''اے بلالؓ مجھے راحت دے'' (حضورؐ نے نماز کو آنکھوں کی ٹھنڈک کہا ہے ، اسی لیے اذان کو راحت قرار دیا) سے استفادہ کرتے ہوئے حضورؐ کی زبان سے حضرت بلالؓ سے ایسے دم (نفس ، ندا) کی خواہش کرتے ہیں جس نے آدم کو مدہوش اور اہلِ آسمان کو بے ہوش کر دیا تھا ۔

اس کے بعد شبِ تعریس[۲۰] کا واقعہ بیان کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ حضور ختمی مآب اسی صوتِ خوب (ندا) کے باعث کچھ اس طرح خواب فرما ہوئے کہ صبح کی نماز بھی قضا ہو گئی ۔ مولانا نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ حضورؐ کی جانِ پاک شبِ تعریس اس عروس (محبوبِ حقیقی) کی دست بوسی میں مشغول تھی ۔

پھر یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے پاک و برگزیدہ بندے عیب جوئی سے دور رہتے ہیں ۔ یہ کام (عیب جوئی) جہلا کا ہے ۔ اس حصے میں لفظ ''نمک'' آ گیا ہے اور مولانا اب اسی کی طرف متوجہ ہو کر کہتے ہیں کہ وہ نمک (عشق) جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم املح و افصح ٹھہرے آج بھی باقی ہے ۔ اس میراث کے وارث اولیاء اللہ سامنے موجود ہیں لیکن عام آدمی کو اس کی خبر نہیں ، اس

---

۲۰۔ شبِ تعریس : مسافر کا آخرِ شب اُترنا ۔ مولوی عبدالمجید پیلی بھیتی ، ''بوستانِ معرفت'' دفتر اول ، ص ۲۱۰) روایت ہے کہ جب نبی کریمؐ نے غزوۂ خیبر سے مراجعت کی تو راستے میں ایک موقع پر آخرِ شب حضورؐ پر نیند کا غلبہ ہوا ۔ حضورؐ نے حضرت بلالؓ سے کہا کہ تم ذرا پہرہ دو تا کہ ہم آرام کر لیں ۔ چنانچہ حضور نبی کریمؐ اور صحابہؓ سبھی سو گئے ۔ حضرت بلالؓ اس دوران نماز ادا کرتے رہے لیکن تھکاوٹ کے سبب ان پر بھی نیند کا جادو چل گیا ۔ سورج طلوع ہو گیا اور کوئی بھی بیدار نہ ہوا ، تا آنکہ حضورؐ بیدار ہوئے اور بلال سے فرمایا : تم نے ہمیں فرض ادا کرنے کے لیے بیدار کیوں نہ کیا ؟ بلال نے عرض کیا : یا رسول اللہ صلعم مجھے بھی نیند آ گئی تھی ۔ حضورؐ اسی وقت وہاں سے روانہ ہو گئے اور دوسری جگہ پہنچ کر نماز قضا ادا کی (''مثنوی شریف'' ، دفتر اول ، حاشیہ ، ص ۵۲) ۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی ''التکشف عن مہمات التصوف'' ، ص ۸۲ بھی ملاحظہ ہو ۔

لیے کہ وہ جسم کا قیدی ہے اور اس کی جان پیش و پس سے بے خبر ۔ پھر مولانا اس پیش و پس اور زیر و بالا کو مادیت کی علامت قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ وہ جانِ پاک (اللہ جل جلالہٗ) جہات و اطراف سے بری ہے ۔ صرف چشم بصیرت وا کرنے کی ضرورت ہے ۔ شادی و غم کے ذکر میں وہ کہتے ہیں کہ اسے ہی سب کچھ نہ سمجھا جائے ۔ پھر رومی بارش کی رعایت سے تلقین کرتے ہیں کہ روزِ باران (یومِ حساب) قریب ہے ، اس سے بچنے کے لیے دن بھر چلتے رہو (عمل صالح اختیار کرو) ۔ یہ باران صرف چشمِ جان ہی سے دیکھی جا سکتی ہے ۔ چشمِ جان کھولو تاکہ سبزۂ قدرت کو عیاں دیکھ سکو :

| | |
|---|---|
| مصطفیٰؐ آمد کہ سازد ہمدمی | کلمینی یا حمیراؓ کلمی |
| ای حمیرا آتش اندر نہ تو نعل | تا ز نعل تو شود این کوہ لعل |

* * *

| | |
|---|---|
| چون تو شیرین از شکر باشی ، بود | کان شکر گاہی ز تو غائب شود |
| چون شکر گردی ز تاثیر وفا | پس شکر کی از شکر باشد جدا |
| زہر محض است آنکہ باشد بیوفا | ہب لنا یا ربنا نعم الورا |

* * *

| | |
|---|---|
| جان کمال است و ندای او کمال | مصطفیٰؐ گویان "ارحنا یا بلالؓ |
| ای بلال افراز بانگ سلسلت | ز آن دمی کاندم دمیدم در دلت |
| ای بلال این گلبنت را جان سپار | خیز و بلبل وار جان میکن نثار |
| زان دمی کادم ازو مدہوش گشت | ہوش اہلِ آسمان بیہوش گشت" |
| مصطفیٰؐ بیخویش شد زان خوب صوت | شد نمازش از شب تعریس فوت |
| سر از ان خواب مبارک بر نداشت | تا نماز صبحدم آمد بچاشت |
| در شبِ تعریس پیش آن عروس | یافت جان پاک ایشان دستبوس |
| عشق و جان ہر دو نہانند و ستیر | گر عروسش خواندہ ام عیبم مگیر |
| از ملال یار خامش گردمی | گر ہمو مہلت بدادی یک دمی |
| لیک میگوید بگو ہین عیب نیست | جز تقاضای قضای غیب نیست |
| عیب باشد کو نہ بیند جز کہ عیب | عیب کی بیند روانِ پاک غیب |

عیب شد نسبت بمخلوق جہول | نی بہ نسبت با خداوند قبول
---|---

* * *

| | |
|---|---|
| جان دشمن دار شان جسمی ست صرف | چون زیاد از نزد او اسمی ست صرف |
| آن بخاک اندر شد و کل خاک شد | این نمک اندر شد و کل پاک شد |
| آن نمک کز وی محمدؐ املح است | ز ان حدیث با نمک او افصح ست |
| آن نمک باقیست از میراث او | با تو اند آن وارثان او ، بجو |
| پیش تو شستہ ، ترا خود پیش کو | پیش ہستت جانِ پیش اندیش کو |
| گر تو خود را پیش و پس داری گمان | بستۂ جسمی و محرومی ز جان۲۱ |

ایک روز حضرت مصطفیٰ صلعم کسی جنازے کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے ۔ واپسی پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے ۔ آپ نے بڑے تعجب سے حضور اکرم کے عمامہ ، چہرہ اور موے مبارک ، گریبان اور بازوے مبارک پر ہاتھ پھیر کر دیکھا ۔ حضور صلعم نے اس کا سبب پوچھا تو حضرت عائشہؓ بولیں : آج بارش ہوئی تھی ۔ میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ حضورؐ کا لباس ذرا بھی تو گیلا نہیں ہوا ۔ پھر آپؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ حضورؐ نے کون سا کپڑا سر پر رکھا تھا ؟ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا : تمھاری چادر سے خود کو ڈھانپ رکھا تھا ۔ پھر فرمایا کہ اے پاک دامن ! اسی لیے اللہ جل جلالہٗ نے تمھاری چشمِ پاک کو باران غیب دکھائی ۔ یہ عام باران نہیں جو آسمان پر چھائے ہوئے بادل برساتے ہیں ۔ اس کا بادل ہی اور ہے اور اس کے نزول میں رحمتِ حق پوشیدہ ہے :

| | |
|---|---|
| مصطفیٰؐ روزی بگورستان رفت | با جنازۂ مردی از یاران برفت |
| خاک را در گور او آگندہ کرد | زیر خاک آن دانہ اش را زندہ کرد |

ان دو اشعار کے بعد درختوں کا ذکر آ گیا ہے تو ان کو چشمِ بصیرت سے دیکھنے کی تلقین اور منکرانِ قدرت پر تنقید کی گئی ہے :

| | |
|---|---|
| چون ز گورستان پیمبر باز گشت | سوی صدیقہؓ شد و ہمراز گشت |

۲۱- "مثنوی شریف" ، ص ۵۲ ، ۵۳ - "کتابِ مثنوی" ، ص ۵۳ -

چشم صدیقہؓ چو بر رویش فتاد | پیش آمد دست بر وی سی نہاد
بر عمامہ و روی او و موی او | بر گریبان و بر و بازوی او
گفت پیغمبرؐ "چہ میجوئی شتاب" | گفت "باران آمد امروز از سحاب
جامہ بایت سی بجویم در طلب | تر نمی بینم ز باران ای عجب"
گفت "چہ بر سر فکندی از ازار" | گفتؓ "کردم آن ردای تو خمار"
گفتؐ "بہر آن نمود ای پاک جیب | چشم پاکت را خدا باران غیب"
نیست آن باران ازین ابر شما | ہست ابر دیگر و دیگر سما
این چنین باران ز ابر دیگر است | رحمت حق در نزولش مضمر است[۲۲]

اس واقعہ کو درمیان ہی میں چھوڑ کر مولانا حضورؐ کی اس حدیث "اغتنموا برد الربیع فانہ یعمل باہدانکم کما یعمل باشجارکم ۔ ۔ ۔ الخ" کی تفسیر بیان کرنے لگتے ہیں ۔ وہ اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے ـــ کہ حضور کا فرمان ہے بہار کی سردی سے جسموں کو نہ ڈھانپو کیونکہ یہ تمہاری جانوں کو اسی طرح شگفتہ و ترو تازہ کر دیتی ہے جس طرح درختوں کو ، لیکن خزاں کی سردی سے بچو کہ وہ تمہارے جسموں پر وہی اثر کرتی ہے جو درختوں وغیرہ پر ـــ کہتے ہیں کہ راویوں نے اس کے ظاہری معنی ہی لیے اور انہی پر قناعت کر بیٹھے ۔ ایسے لوگ اس قولِ مبارک کی روح سے بے خبر رہے ۔ دوسرے لفظوں میں اُنھوں نے پہاڑ تو دیکھا لیکن اس میں پوشیدہ کان ان کی نظروں سے اوجھل رہی ۔ رومی کے مطابق خزاں خدا کے نزدیک نفس و ہوا ہے جب کہ عقل و جاں بہار اور باعثِ بقا ہے ۔ چونکہ عام انسان کی عقل جزوی ہے اس لیے وہ کسی کامل العقل کو تلاش کرنے پر زور دیتے ہیں ۔ پھر اس کی تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ خدا کے برگزیدہ بندے بہار کی مانند ہیں جن سے روح کو بالیدگی اور تازگی ملتی ہے ۔ لہٰذا اللہ کے ان خاص بندوں کی نرم و درشت باتوں سے منہ نہ موڑو کہ یہ دین کے لیے پشت و پناہ ہیں ۔ ان کی گرم گفتاری اور سرد گفتاری کو اپنے حق میں بہتر سمجھو تاکہ سرد و گرمِ زمانہ اور آتشِ دوزخ سے محفوظ رہو ۔ ان کا گرم و سرد نوبہار زندگی اور مایۂ صدق

---

۲۲- "کتابِ مثنوی" ، ص ۵۳ ، ۵۴ ۔

و یقین و بندگی ہے ۔ اگر عاقل کے باغِ دل سے ایک خلال کم ہو جائے تو اس کو ہزاروں غم ہوتے ہیں :

قول پیغمبرؐ شنو ایمان من — دور کن از خویشتن انکار و ظن
گفت پیغمبرؐ ز سرمای بہار — تن مپوشانید یاران ز ینہار
ز آنکہ با جان شما آن میکند — کان بہاران با درختان میکند
پس غنیمت باشد آن سرمای او — در جہان بر عارفان وقت جو

* * *

آن خزان نزد خدا نفس و ہوا ست — عقل و جان ہمچون بہار است و بقاست
گر ترا عقلی است جزوی در نہان — کامل العقلی بجو اندر جہان
جزو تو از کل او کلی شود — عقل کل بر نفس چون غلی شود
پس بتاویل این بود کانفاس پاک — چون بہار است و حیات برگ و تاک
از حدیث اولیا نرم و درشت — تن مپوشان ز انکہ دینت راست پشت
گرم گوید سرد گوید خوش بگیر — تا ز گرم و سرد بجہی وز سعیر
گرم و سردش نو بہار زندگیست — مایۂ صدق و یقین و بندگیست
ز آنکہ ز آن بستان جانہا زندہ است — ز آن جواہر بحر دل آگندہ است
بر دل عاقل ہزاران غم بود — گر ز باغ دل خلالی کم شود[۲۳]

اسی غم کو بنیاد بنا کر مولانا پھر بارش والے واقعہ کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بڑے ہی صدق اور خشوع و ادب کے ساتھ حضورؐ سے سوال کیا کہ آج جو بارش ہوئی اس میں کون سی حکمت پوشیدہ تھی ؟ یہ بارانِ رحمت تھی یا خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے تہدید تھی ، یا یہ لطف بہاری تھا یا خزاں کی آفات میں سے ۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ یہ باران اس غم کی تسکین کی خاطر ہے جس نے انسان کو اس پر وارد مصیبت کی بنا پر گھیر رکھا ہے ۔ اس کے بعد جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ اگر انسان کے لیے اس تسکین کا سامان نہ کیا جاتا اور وہ مصیبت کی آگ میں اسی طرح جلتا رہتا تو یہ دنیا جلد ہی خرابی و بربادی اور ویرانی کا شکار ہو جاتی ، اور انسان حرص و ہوس یا آرزو سے بالکل عاری

---

۲۳- ایضاً ، ص ۵۴ ، ۵۵ -

ہو جاتا ، یعنی لوگ تارک الدنیا ہو جاتے ۔ مولانا ''غفلت'' کو اس دنیا کا ستون ، جس پر وہ قائم ہے ، اور ''ہوشیاری'' کو اس کے لیے باعث آفت قرار دیتے ہیں ۔ ان کے مطابق ''ہوشیاری'' کا تعلق عالمِ بالا سے ہے ۔ اگر یہ غالب آ جائے تو یہ دنیا پست و نیست ہو جائے ۔ اس کی وضاحت رومی نے سورج اور برف ، اور پانی اور گندگی کی تمثیلات سے کی ہے ، یعنی جس طرح سورج برف کو فوراً پگھلا دیتا ہے اور پانی گندگی کو دھو ڈالتا ہے ، اسی طرح ''ہوشیاری'' کا غلبہ اس دنیا کو نابود کر دے گا ۔ چنانچہ اس آتشِ حرص و حسد کو کسی حد تک سرد رکھنے کے لیے بارانِ رحمت کا نزول ترشح کی صورت میں ہوتا رہتا ہے تاکہ وہ پوری طرح سر اٹھانے نہ پائے ، اور اگر اس ترشح میں اضافہ ہو جائے تو اس دنیا سے عیب و ہنر اور خوبی و بدی کا وجود ہی اٹھ جائے ۔ دوسرے لفظوں میں دنیا کا کاروبار رک جائے :

پس سوالش کرد صدیقہؓ ز صدق — با خشوع و با ادب از جوش عشق
کای خلاصۂ ہستی و زبدۂ وجود — حکمت باران امروزین چہ بود
این ز بارانہای رحمت بود یا — ہر تہدیدست و عدل کبریا
این از آن لطف بہاریات بود — یا ز پائیزی پر آفات بود
گفتؐ این از بہر تسکین غم ست — کز مصیبت بر نژاد آدم ست
گر برآن آتش بماندی آدمی — ہی خرابی در فتادی و کمی
اینجہان ویران شدی اندر زمان — حرصہا بیرون شدی از مرد مان
اُستن این عالم ، ایجان ! غفلت ست — ہوشیاری اینجہان را آفت ست
ہوشیاری ز آن جہانست و چو آن — غالب آید ، پست گردد این جہان
ہوشیاری آفتاب و حرص یخ — ہوشیاری آب این عالم وسخ
ز آن جہان اندک ترشح می رسد — تا نخیزد در جہان حرص و حسد
گر ترشح بیشتر گردد ز غیب — نی ہنر ماند درین عالم نہ عیب[۲۴]

دفتر اول ہی میں ''نالیدن ستون حنانہ از فراقِ پیغمبر علیہ السلام'' کے عنوان کے تحت حضور اکرم اور ایک ستون کے درمیان مکالمے کا واقعہ بیان ہوا

---

۲۴۔ ایضاً ، ص ۵۵ ، ''مثنوی شریف'' ، دفتر اول ، ص ۵۴ ۔

ہے - اس سے پیشتر مولانا نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ سنگ و چوب بھی فہم رکھتے ہیں ، اور مذکورہ ستون کا واقعہ اُنھوں نے اسی ضمن یا اس نظریہ کی تصدیق میں پیش کیا ہے - کہتے ہیں کہ ایک موقع پر اصحابِ رسول اکرمؐ نے حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں یہ عرض کیا کہ اب چونکہ مسجد میں لوگ زیادہ جمع ہونے لگے ہیں اس لیے حضورؐ کا چہرہ مبارک نظر نہیں آتا - صحابہؓ کی اس گزارش پر اس ستون کے قریب جس کے سہارے حضورؐ بیٹھ کر وعظ فرمایا کرتے تھے ، منبر بنا دیا گیا تاکہ فخرِ موجوداتؐ اس پر تشریف فرما ہو کر وعظ فرمایا کریں اور حاضرین آوازِ مبارک سننے کے ساتھ چہرہ مبارک بھی دیکھ سکیں - اس طرح اس ستون سے آپ کا تعلق کٹ گیا جس کا ستون نے بہت زیادہ اثر لیا - چنانچہ وہ حضور صلعم کے فراق میں انسانوں کی طرح کچھ اس طور نالہ و زاری کرنے لگا کہ ہر پیر و جوان کو اس کی خبر ہو گئی - صحابہ کرامؓ بڑے حیران ہوئے کہ یہ ستون کس لیے نالہ کناں ہے - حضور ختمی مرتبتؐ نے لکڑی کے اس ستون سے اس نالہ کا سبب پوچھا - وہ بولا کہ آپؐ کے فراق میں میری جان خون ہو گئی ہے - آپؐ کے ہجر میں جب میری جان جل چکی ہے تو ، اے جانِ جہانؐ ، آپؐ ہی فرمائیں میں کیوں نالہ وزاری نہ کروں ؟ میں حضور کی مسند تھا - حضور نے مجھ سے قطع تعلق کر کے منبر کو مسند بنا لیا - اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اے اچھے درخت ! اے کہ تیرے بھید کے ساتھ بخت ہمراز ہوا ، اگر تو چاہے تو قدرت تجھے ایسا نخل بنا دے جس کا پھل اہلِ شرق و غرب کھائیں ، یا تجھے عالمِ بالا میں سرو بنا دے تا کہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سر سبز رہے - ستون نے جواب میں زندگیِ جاوید کی خواہش کا اظہار کیا جس پر اسے زمین میں دفنا دیا گیا تا کہ قیامت کے روز اسے بھی انسانوں کی مانند اُٹھایا جائے -

ستون کے اس اظہارِ خواہش پر مولانا فرماتے ہیں کہ غفلت کے مارو ، لکڑی سے تو کم تر نہ رہو - پھر ستون کے دفن کیے جانے پر یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں کہ یہ اس لیے ہے تا کہ تم یہ جان لو کہ جس کسی کو اللہ تعالیٰ طلب فرماتا ہے اسے دنیاوی دھندوں سے کوئی سروکار نہیں رہتا - دوسرے لفظوں میں جس کسی کو حق تعالیٰ سے تعلق و وابستگی ہو جائے اسے وہاں بار حاصل ہوتا ہے اور دنیاوی معاملات میں وہ گویا بے کار ہو کر رہ جاتا ہے :

اُستن حنانہ[۲۵] از ہجر رسولؐ — نالہ می زد ہمچو ارباب عقول
درمیان مجلس وعظ آنچنان — کز وی آگہ گشت ہم پیر و جوان
در تحیر ماندہ اصحاب رسولؐ — کز چہ می نالد ستون با عرض و طول
گفت پیغمبرؐ چہ خواہی ای ستون — گفت جانم از فراقتؐ گشت خون
از فراق توؐ مرا چون سوخت جان — چون ننالم بی تو ای جان جہان
مسندت من بودم از من تاختی — بر سر منبر توؐ مسند ساختی
پس رسولش گفت کای نیکو درخت — ای شدہ با سر تو ہمراز بخت
گر ہمی خواہی ترا نخلی کنند — شرق و غربی ز میوۂ تو چنند
یا در آن عالم حقت سروی کند — تا تر و تازہ بمانی تا ابد
گفت "آن خواہم کہ دائم شد بقاش" — بشنو ای غافل کم از چوبی مباش
آن ستون را دفن کرد اندر زمین — تاچو مردم حشر گردد یوم دین
تابدانی ہرکرا یزدان بخواند — از ہمہ کار جہان بیکار ماند
ہر کرا باشد ز یزدان کاروبار — یافت بار آنجا و بیرون شد ز کار[۲۶]

اس بحث کے بعد مولانا استدلالیوں اور منکرین معجزہ کو ہدف تنقید بناتے ہوئے نبی کریمؐ کے ایک اور معجزے کا ذکر کرتے ہیں ۔ ایک موقع پر ابوجہل کے ہاتھ میں کچھ سنگریزے تھے ۔ وہ حضور سے مخاطب ہوا کہ اگر آپ رسولِ خدا ہیں اور رازِ آسمان سے بھی واقف ہیں تو بتائیں میری مٹھی میں کیا ہے ۔ حضور نے فرمایا ، کیا میں اس کے متعلق کچھ بتاؤں یا خود وہ چیز اپنی حقیقت بیان کرے ؟ ابوجہل نے دوسری بات کی خواہش ظاہر کی ۔ حضور سرورِ کائنات نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ ، اس سے بھی زیادہ پر قادر ہے ۔ پھر فرمایا کہ تیرے ہاتھوں میں جو سنگریزے ہیں اور ہر سنگریزہ تجھے تسبیح کرتا سنائی دے گا ۔ چنانچہ فوراً ہی ہر سنگریزہ کلمہ پڑھتا سنائی دینے لگا ۔ ابوجہل نے جو یہ صورتِ حال دیکھی تو طیش میں آ کر سنگریزوں کو زمین پر دے پٹخا اور بولا کہ آپ (نعوذ باللہ) ایک بے مثال ساحر بلکہ ساحروں کے سردار ہیں ، اور پھر وہ اسی حالتِ غیظ میں گھر کو ہو لیا ۔

---

۲۵- حنانہ : نالہ وزاری کرنے والا ("غیاث اللغات" ، ص ۲۳۵) ۔
۲۶- "کتابِ مثنوی" ، ص ۵۶ ۔

مولانا اس کے اس انکار و طیش کو اس کی بدبختی قرار دیتے اور اس کے کنوئیں میں گرنے اور کفر و زندقہ کی طرف تیزی سے بڑھنے سے تعبیر کرتے ہیں - پھر فرماتے ہیں کہ اس کے سر پر خاک ! وہ کور و لعین تھا اور اس کی آنکھیں "خاک ہیں" ابلیس تھیں :

سنگہا اندر کف بوجہل بود — گفت "ای احمد بگو این چیست ، زود
گر رسولی چیست در مشتم نہان — چون خبر داری ز راز آسمان"
گفت "چون خواہی بگویم کان چہاست — یا بگویند آنکہ ما حقیم و راست"
گفت بوجہل "آن دوم نادر ترست" — گفت "حق ، آری ، ازین قادر ترست"
گفت "شش پارہ حجر در دست تست — بشنو از ہر یک تو تسبیحی درست"
از میان مشت او ہر پارہ سنگ — در شہادت گفتن آمد بی درنگ
"لا الٰہ" گفت و "الا اللہ" گفت — گوہر "احمد رسول اللہ" سفت
چون شنید از سنگہا بوجہل این — زد ز خشم آن سنگہا را بر زمین
گفت "نبود مثل تو ساحر دگر — ساحران را سر توئی و تاج سر"
چون بدید آن معجزہ بوجہل ، تفت — گشت در خشم و بسوی خانہ رفت
رہ گرفت و رفت از پیش رسولؐ — اوفتاد اندر چہ آن زشت جہول
معجزہ او دید و شد بد بخت زفت — سوی کفر و زندقہ سر تیز رفت
خاک بر فرقش کہ بد کور و لعین — چشم او ابلیس آمد خاک بین[۲۷]

اس بیان میں کہ ہر کوئی اپنی فکر و ہمت کے مطابق سوچتا ہے ،[۲۸] حضور اکرم کا ذکرِ خیر چند ایک مرتبہ آیا ہے - ایک موقع پر ابوجہل نے سرکارِ دو عالم کو دیکھا تو کہا کہ بنی ہاشم سے (نعوذ باللہ) ایک بری صورت وجود میں آئی ہے - حضورؐ نے فرمایا تو نے ٹھیک ہی کیا ہے - اس کے برعکس حضرت صدیق اکبرؓ نے حضور کو دیکھا تو کہا کہ آپ تو ایسے آفتاب ہیں جو شرق و غرب کی حدود سے بے نیاز ہے - اس پر رسول اللہ نے فرمایا کہ تم نے بھی ، کہ اس دنیائے دنی سے بے نیاز ہو ، ٹھیک کہا ہے - صحابہ کرامؓ نے حیران

---

۲۷- ایضاً ، ص ۵۷ -
۲۸- اس حصے کا عنوان ہے : "جنبیدن ہر کسی از آنجاست کہ وی است ، ہر کسی از چنبرۂ وجود خود بیند - - - الخ" -

ہو کر عرض کیا کہ یا حبیب اللہ ! آپ نے دونوں کو ، کہ ایک دوسرے کی ضد ہیں ، راست گو فرمایا ہے ، اس کا سبب کیا ہے ؟ حضورؐ نے فرمایا : میں صیقل شدہ آئینہ ہوں ، سفید فام اور سیاہ فام کو مجھ میں وہی کچھ نظر آئے گا جو کچھ وہ خود ہے ۔ اس پر مولانا کہتے ہیں کہ جس کے روبرو آئینہ ہو وہ اپنے زشت و خوب کو اس میں دیکھ لیتا ہے :

دید احمد را ابوجہل و بگفت — زشت نقشی کز بنی ہاشم شگفت
گفت احمد مرورا کہ راستی — راست گفتی گرچہ کار افزاستی
دید صدیقش بگفت ای آفتاب — نی ز شرقی نی ز غربی خوش بتاب
گفت احمد راست گفتی ای عزیز — ای رہیدہ تو ز دنیای نہیز
حاضران گفتند کای صدر الوریٰ — راستگو گفتی دو ضد گو را چرا
گفت من آئینہ ام مصقول دست — ترک و ہندو در من آن بیند کہ ہست
ہر کہ را آئینہ باشد پیش رو — زشت و خوب خویش را بیند درو[۲۹]

حضور نبی کریم کی اس حدیث کی مختصر تفسیر میں کہ عورتیں عقل مندوں پر غالب رہتی ہیں لیکن جاہل آدمیوں کو عورتوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے ، مولانا نے جہلا کو تند و خیرہ مزاج اور جذباتِ ترحم و محبت و رقت سے عاری قرار دیا ہے ۔ ان کے مطابق حیوانیت ان جاہلوں کی نہاد و فطرت میں ہوتی ہے اور اس کا خاصہ خشم و شہوت ہے جب کہ مہر و محبت و رقت انسانی وصف ہے ، اور عاقل انسان اس وصف سے متصف ہونے کے سبب عورت کے ساتھ ، جو ماں بھی ہے ، بہن بھی اور بیوی بھی ہے ، اس کے ان مختلف درجات کے مطابق ، لطف و کرم ، مہر و محبت اور مروت سے پیش آتا ہے ۔ بالخصوص وہ بیوی کے سامنے ، جس کے کندھوں پر بچوں کی پرورش اور گھر کے دیگر کٹھن کاموں کا بوجھ ہوتا ہے ، کسی قسم کی برتری یا تفوق کا مظاہرہ کرنے سے اجتناب برتتا ہے ، جب کہ جاہل انسان لڑائی مارکٹائی اور اسی قسم کی تکلیف دہ حرکات کے ذریعے خود کو عورت پر غالب قرار دینے کی کوشش کرتا ہے ۔

مولانا نے عورت کے محبوب ہونے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ پرتوِ حق

---

۲۹- ایضاً ، ص ۶۳ ۔

ہونے کے ناتے خلاق کی صفت کی مظہر ہے، یعنی وہ مخلوق ہوتے ہوئے خالقِ مجازی بھی ہے، اور وہ اس لحاظ سے کہ وہ بچے کو جنم دیتی ہے اور اس کا یہی عمل خدا کی خلاقی کے بعد سب سے بڑا عملِ خلاق ہے:

گفت پیغمبر کہ زن بر عاقلان — غالب آید سخت بر صاحبدلان
باز بر زن جاہلان غالب شوند — ز آنکہ ایشان تند و بس خیرہ روند
کم بود شان رقت و لطف و وداد — ز آن کہ حیوانیست غالب بر نہاد
مہر و رقت وصف انسانی بود — خشم و شہوت وصف حیوانی بود
پرتو حقست و آن معشوق نیست — خالقست آن گوئیا مخلوق نیست[۳۰]

اسی دفتر میں ایک بدو کی داستان میں، جو جنگل سے بارش کا پانی ایک برتن میں ڈال کر ہدیے کے طور پر خلیفہ وقت کے پاس اس خیال سے لے گیا کہ وہاں پانی کا قحط ہو گا، مولانا نے حضور سرورِ کائنات سے متعلق دو تلمیحات کا ذکر کیا ہے۔ اس داستان میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ لطف و عنایتِ ربانی سے انسان کس مقامِ اعلیٰ تک پہنچ جاتا ہے، مولانا نے محرکِ عمل اور نتیجۂ عمل میں تفاوت پر بحث کی ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ انسان کسی خاص مقصد کے حصول کے لیے کوشش کرتا ہے لیکن چونکہ انسانی کوشش کا نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس لیے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کی یہ کوشش یا عمل اسے ایسی راہ پر ڈال دیتا ہے جو اس کو اس خاص مقصد سے ہٹ کر بلند تر اور ارفع تر مقصود کی طرف لے جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں "کوشش اور نتیجہ اپنی ہیئت، ماہیت اور قیمت میں مساوی نہیں ہوتے"۔ اس ضمن میں رومی نے کئی ایک مثالیں دی ہیں جن میں سے دو کا تعلق حضرت عباسؓ اور حضرت عمرؓ کے مشہور واقعات سے ہے۔

حضور اکرمؐ کے چچا حضرت عباسؓ اپنے کفر کے زمانے میں غزوۂ مکہ میں اس لیے شریک ہوئے تھے کہ، خاکم بدہن، حضور اکرم اور دینِ اسلام کو ختم کر ڈالیں، لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا اور وہ نہ صرف خود بلکہ ان کے لڑکے بھی دین کے لیے قوت و استحکام کا سبب بن گئے۔ اسی طرح

---

۳۰۔ ایضاً، ص ۶۴۔ نیز خلیفہ عبدالحکیم، کتاب مذکور، ص ۱۰۲ ببعد۔

حضرت عمرؓ شمشیر بدست گھر سے تو اس ارادے سے نکلے کہ وہ سرورِ کائنات کا ، نعوذ باللہ ، خاتمہ کر کے ہی واپس آئیں گے ، مگر جب وہ واپس لوٹے تو خود ان کے کفر و الحاد کا خاتمہ ہو چکا تھا ، اور پھر ایسا زمانہ بھی آیا کہ وہ امیر المومنینؓ اور اہلِ دین کے مقتدا و پیشوا بن گئے :

آمدہ عباس حرب از بہر کین — بہر قمع احمد و استیز دین
گشت دین را تا قیامت پشت و رو — در خلافت او و فرزندان او
آمدہ عمرؓ بحرب مصطفیٰؐ — تیغ در کف ، بستہ بس میثاقہا
گشتہ اندر شرع امیر المومنین — پیشوا و مقتدای اہلِ دین[۳۱]

دفتر اول ہی میں حضرت ختمی مرتبت کا ذکرِ خیر حضرت علیؓ کے نام حضورؐ کی وصیت کے ضمن میں آیا ہے ۔ حضور اکرم نے فرمایا کہ ہر کوئی کسی نہ کسی نیکی و طاعت سے خدا کا قرب ڈھونڈتا ہے ، تم (علیؓ) کسی عاقل اور بندۂ خاص کی صحبت کا تقرب ڈھونڈو تاکہ درجات و تقرب میں تم ان سب پر سبقت لے جاؤ ، دنیا میں لوگوں کے نزدیک اور آخرت میں اللہ کے نزدیک ۔

مولانا نے اس وصیت کا ذکر کرکے اپنے طرزِ خاص میں اس کی تفسیر بیان کی ہے ۔ لکھتے ہیں کہ پیغمبر صلعم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تمؓ شیرِ حق اور بڑے دلیر پہلوان ہو ، لیکن اپنی شیری و دلیری پر کچھ زیادہ ہی اعتماد نہ کرو اور نخلِ امید کے سائے میں رہو ۔ اگر ہر شخص خدائے بزرگ و برتر کے قرب کی خاطر طاعت و بندگی اختیار کرتا ہے تو تم ان لوگوں کے برعکس نیکی و کمال کے بجائے اپنے عقل و راز کے وسیلے سے تقرب ڈھونڈو ، ایسے عاقل (بندۂ خاصِ خدا) کے سائے میں رہو جسے کوئی ناقل (دنیا دار ، فریب کار) گمراہ نہیں کر سکتا ۔ پھر ایسے بندۂ خاص کی وساطت سے قربت خداوندی کے متلاشی رہو اور اس کی طاعت سے ہرگز رو گردانی نہ کرو ، اس لیے کہ ایسا مردِ راہ داں ہر خار کو گلشن بنا دیتا اور ہر اندھے کی آنکھوں کو روشن کر دیتا ہے ۔ مولانا کے مطابق ایسے مردِ خدا کا سایہ زمین پر کوہ قاف کی مانند ہے ۔ خدا کا

---

۳۱۔ "کتابِ مثنوی" ، ص ۴۷ ۔

یہ خاص بندہ طالبانِ حق کی دست گیری کرتے ہوئے انھیں پیش گاہ حق تک لے جاتا ہے ۔ ایسے مرشد و بندۂ خاصِ خدا کی تعریف و ثنا جتنی بھی اور جب تک بھی کی جائے کم ہے ۔ رومی اس کی ذات کو آفتابِ روح قرار دیتے ہیں جس کے نور سے انس و ملک زندہ ہیں اور یہ آفتاب انسانوں ہی میں پوشیدہ ہے ۔ بس ذرا اسے پرکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے ۔

اس کے بعد پھر خطاب بہ حضرت علیؓ یہ کہا گیا ہے کہ تمام دیگر طاعات کی نسبت اللہ کے سایۂ خاص (مردِ خدا) کو اختیار کرو تا کہ دوسرے لوگوں پر تمھیں سبقت حاصل ہو ۔ ایسا مرشد جو حضرت خضر[۳] کی مانند ہے اگر میسر آ جائے تو حضرت موسیٰ کی طرح اس کے حکم پر چلو اور اس کے ہر کام پر صبر کا مظاہرہ کرو ۔ پھر مولانا نے ایسے مرشد کے ہاتھ کو قرآن کے حوالے سے دستِ حق کہا اور حضرت موسیٰ[۴] اور حضرت خضر[۴] سے متعلق قتلِ طفل اور کشتی وغیرہ کا قصہ بیان کیا ہے :

گفت پیغمبر علیؓ را کای علیؓ — شیرِ حقی ، پہلوانی ، پُر دلی
لیک بر شیری مکن ہم اعتمید — اندر آ در سایۂ نخلِ اُمید
ہر کسی گر طاعتی پیش آورند — بہر قرب حضرت بیچون و چند
تو تقرب جو بعقل و سرِ خویش — نی چو ایشان بر کمال و برِّ خویش
اندر آ در سایۂ آن عاقلی — کش نتاند برد از رہ ناقلی
پس تقرب جو بدو سوی الہ — سر مپیچ از طاعت او ہیچگاہ
زانکہ او ہر خار را گلشن کند — دیدۂ ہر کور را روشن کند
ظل او اندر زمین چون کوہ قاف — روح او سیمرغ بس عالی طواف
دستگیر و بندۂ خاصِ الہ — طالبان را می برد تا پیشگاہ
گر بگویم تا قیامت نعت او — ہیچ آنرا غایت و مقطع مجو
آفتاب روح ، نی آنِ فلک — کہ ز نورش زندہ اند انس و ملک
در بشر رو پوش گشتست آفتاب — فہم کن واللہ اعلم بالصواب
یا علیؓ از جملہ طاعات راہ — بر گزین تو سایۂ خاصِ الہ
ہر کسی در طاعتی بگریختند — خویشتن را مخلصی انگیختند
تو برو در سایۂ عاقل گریز — تا رہی ز آن دشمن پنہان ستیز

از ہمہ طاعات اینت لایق است | سبق یابی بر ہر آنکو سابق است
چون گرفتی پیر ، ہین تسلیم شو | ہمچو موسیٰؑ زیر حکم خضر رو
صبر کن بر کار خضر ای بی نفاق | تا نگوید خضر رو ھذا فراق[۳۲]

جماعت کا وجود اور باہمی مشورہ باعثِ رحمت ہے ۔ اس ذیل میں مولانا نے گرگ و روباہ اور شیر کے مل کر شکار کے لیے جانے کی حکایت بیان کی ہے اور اس حکایت کے دوران وہ اس قرآنی آیت کا حوالہ لاتے ہیں جس میں نبی کریمؐ سے دوسروں سے مشورہ کرنے کو کہا گیا ہے ۔ اس سلسلے میں "تشبیہات رومی" سے اقتباس ملاحظہ ہو : "اللہ تعالیٰ آنحضرتؐ کو حکم دیتا ہے کہ اصحاب سے مشورہ کیا کرو ۔ ۔ ۔ اور دوسری جگہ مومنوں کی یہ صفت بتائی ہے کہ وہ معاملات کو باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر صلعم جن کو خدا نے غیر معمولی عقل و بصیرت عطا کی تھی ان کو دوسروں کے مشورے سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے ؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ پیغمبرؐ کو روحانی اور دینی امور میں تو بہرحال دوسروں پر تفوق حاصل ہوتا ہے ، لیکن تمام امور دینی امور نہیں ہوتے ۔ یہ ہو سکتا ہے کہ غیر دینی امور میں کسی دوسرے تجربہ کار انسان کو کوئی معقول بات سوجھ جائے ۔ یہ امور ایسے ہوتے ہیں جن کے متعلق سعدی نے کہا ہے :

گاہ باشد کہ کودک نادان | بہ غلط بر ہدف زند تیری

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پیر دانش مند کو بھی تدبیر نہیں سوجھتی ۔ جنگ میں کئی مرتبہ رسول کریم نے دوسروں کے مشورے کو قبول کیا حالانکہ بادی الامر میں ان کی یہ رائے نہ تھی ۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسولِ کریمؐ نے فرمایا کہ دنیاوی امور میں ہو سکتا ہے کہ تمھاری سمجھ اور تجربہ مجھ سے زیادہ ہو ۔ میری پیروی فقط امورِ دینیہ میں ہے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ رسولؐ

---

۳۲- سورۃ الکھف ، آیہ ۷۸ : ان بزرگ (خضر) نے کہا کہ یہ وقت ہماری اور آپ (موسیٰ) کی علیحدگی کا ہے (جیسا کہ خود آپ نے شرط کی تھی) میں ان چیزوں کی حقیقت بتلائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا ۔ "کتابِ مثنوی" ، ص ۷۸ ۔

کی اصلی حیثیت معلم کی ہے - - - - تلقین مشورت سے اپنی اُمت کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ کوئی ایک شخص عقلِ کل نہیں ہوتا ، اس لیے مشورے سے ہمیشہ انسانوں کو فائدہ پہنچتا ہے - - - - اسلام نے ایک جمہوری نظام کی بنا ڈالی تھی جس میں کسی شخص کو مطلق العنان ، بادشاہ یا آمر ہونے کا حق حاصل نہ تھا - مولانا فرماتے ہیں کہ لوگوں کو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کو مشورے سے کیا حاصل ؟ کہاں پیمبرؐ کی بصیرت اور کہاں مشیروں کا محدود فہم ؟ لیکن اس نکتے کو فراموش نہ کرنا چاہیے کہ مشورہ طلبی سے کسی بڑے آدمی کی تحقیر نہیں ہوتی - - - -''[۳۳] اس نکتے کو مولانا نے ایک سادہ اور دل چسپ مثال سے واضح کیا ہے - ان کے مطابق سونا تولنے کے لیے جو کا دانہ یا رتی استعمال کرتے ہیں ، یعنی دو پلڑوں میں یہ دو چیزیں رکھی جاتی ہیں ، لیکن دونوں کی قیمتوں میں جو فرق ہے وہ اسی طرح قائم رہتا ہے ، اور اس سے نہ تو سونے کی تذلیل ہوتی ہے اور نہ جو وغیرہ کی تکریم ، اور یہی کیفیت عام اور خاص انسانوں کے باہمی مشورے کی ہے :

شیر و گرگ و روبہی بہر شکار — رفتہ بودند از طلب در کوہسار
تا بہ پشت ہمدگر بر صیدہا — سخت بر بندند بار و قیدہا
ہرسہ باہم اندر آن صحرای ژرف — صیدہا گیرند بسیار و شگرف
گرچہ ز ایشان شیرنر را ننگ بود — لیک کرد اکرام و ہمراہی نمود
اینچنین شہ را ز لشکر زحمت است — لیک ہمرہ شد جماعت رحمت است

• • •

امر شاوِرہم[۳۴] پیمبرؐ را رسید — گرچہ رایش را نہ بُد رائی فرید
در ترازو جو رفیق زر شدہ است — نی از آن کہ جو چو زر جوہر شدہ است
روح قالب را کنون ہمرہ شدہ است — مدتی سگ حارس درگہ شدہ است[۳۵]

---

۳۳- خلیفہ عبدالحکیم ، کتاب مذکور ، ص ۱۳۲ - ۱۳۳ -
۳۴- سورۂ آلِ عمران : آپ ان سے مشورہ کیجیے اور جب آپ ارادہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل کریں -
۳۵- ''کتابِ مثنوی'' ، ص ۸۰ ، ''مثنوی شریف'' ، ص ۷۸ -

ایک جگہ کاتبِ وحی کے مرتد ہونے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس میں سرکار دو عالمؐ کا ذکر کئی مرتبہ نبی ، رسول ، رسولِ مستنیر اور مصطفیٰ جیسے الفاظ و القاب کے ساتھ آیا ہے ۔

مولانا لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ سے قبل ایک نساخ تھا جو وحی لکھنے میں خاصی محنت سے کام لیتا ۔ جب بھی نبی کریمؐ اسے وحی سناتے وہ فوراً کاغذ پر لکھ لیتا ۔ اس طرح وہ پرتوِ وحی کی چمک سے مستفیض اور اس کا سینہ حکمت سے معمور ہوتا رہا ۔ رسولِ مقبولؐ عین وہی حکمت ارشاد فرماتے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بیہودہ انسان گمراہ ہو گیا اور یہ سمجھ بیٹھا کہ جو کچھ حضور فرماتے ہیں وہ حقیقت میں اس کے ضمیر میں مضمر ہے ۔ آخر رسول کریمؐ کو اس کی خبر ہو گئی ، جس کے بعد اس شخص پر قہرِ خدا نازل ہوا ۔ اس نزولِ قہر کے سبب اس کا سینہ حکمت و دانش سے خالی ہو گیا اور وہ عاجز ہو کر رہ گیا ۔ اس طرح وہ نساخی سے بھی جاتا رہا اور دین سے بھی ۔ وہ اپنے کینہ کے باعث مصطفیٰ صلعم اور دین مبین کا دشمن بن گیا ۔ حضور نے اس سے فرمایا کہ اے کینہ ور کافر ! اگر اس نور (وحی) کا تعلق تجھ سے تھا تو تو سیاہ رو کیوں ہوا ؟ اگر تو چشمۂ الٰہی ہوتا تو اس قسم کے گندے پانی کا حامل نہ ہوتا ۔ ۔ ۔ ذلت و رسوائی سے بچنے کے لیے اس نے منہ بند رکھا ۔ اس بنا پر وہ اندر ہی اندر جلتا کڑھتا رہا لیکن توبہ کی طرف مائل نہ ہوا ۔ وہ آہیں بھرتا رہا مگر اس کی کیفیت کچھ اس طرح کی تھی کہ جیسے تلوار سے اس کا سر کاٹ لیا گیا ہو اور اب یہ آہیں بے سود اور بے کار ہوں ۔ اس کے بعد رومی نے کبر و کفر کو ہدفِ تذمیم بنایا ہے :

پیش از عثمان یکی نساخ بود — کو بہ نسخ وحی جدی مینمود
چون نبیؐ از وحی فرمودی سبق — او بہان را وا نوشتی در ورق
پرتو آن وحی بر وی تافتی — او درون خویش حکمت یافتی
عین آن حکمت بفرمودی رسول — زینقدر گمراہ شد آن بوالفضول
کانچہ میگوید رسول مستنیر — مر مرا ہست آن حقیقت در ضمیر
پرتو اندیشہ اش زد بر رسول — قہر حق آورد بر جانش نزول
پرتو او ناگہش در دل بتافت — در درون خویشتن حرفی لیافت

هم ز نساخی بر آمد هم ز دین — شد عدوِ مصطفیٰؐ و دین بکین
مصطفیٰؐ فرمود کای گبر عنود — چون سیه گشتی اگر نور از تو بود
گر تو ینبوع الٰهی بوده ای — اینچنین آب سیه نکشوده ای
تا که ناموسش به پیش این و آن — نشکند بر بست این او را دهان
اندرون می سوختش هم زین سبب — او نیارد توبه کردن ای عجب
آه میکرد و نبودش آه سود — چون در آمد تیغ و سر را در ربود[۳۶]

پھر اس ضمن میں ہاروت و ماروت کا قصہ بیان کر کے غفلت و کبر و ریا کاری سے بچنے کی تلقین کی اور کاتبِ وحی رسول کے مذکورہ واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کس طرح اس نے اپنے اندر حکمت و نور اصول دیکھا اور خود کو مرغانِ خدا کا ہم صفیر جانا ، حالانکہ صفیر اور خدا میں فرق ہے ۔ یہاں مولانا نے سیدھی سادی لیکن دل نشین تمثیل سے اس موضوع کی توضیح کی ہے ۔ فرماتے ہیں اگر انسان کسی پرندے کی آواز نکالنے میں ماہر ہو جائے تو بھی اس پرندے کے ضمیر سے آگاہ نہیں ہو سکتا ، مثلاً بلبل کی سی آواز نکال لینے کے باوجود یہ نہیں جانا جا سکتا کہ بلبل گل سے کیا کہتی ہے (اس تمثیل میں خدا کے نیک بندوں اور ریا کاروں میں فرق بیان کیا گیا ہے) :

عصمتی کہ مر شما را در تن است — آن ز عکس عصمت و حفظ من است
آن ز من بینید نز خود بین و بین — تا نچربد بر شما دیو لعین
آنچنان کان کاتب وحی رسول — دید در خود حکمت و نور اصول
خویش را هم لحن مرغان خدا — میشمرد آن بد صفیری چون صدا
لحن مرغان را اگر واصف شوی — بر ضمیر مرغ کی واقف شوی
گر بیاموزی صفیر بلبلی — تو چه دانی کو چه گوید با گلی[۳۷]

اور اس کے ساتھ ہی ایک بہرے کی بیمار ہمسایہ کی عیادت کو جانے کا قصہ بیان کر کے احمق اور ریا کار مقلد کی عیادت کو ہدفِ تنقید بنایا اور اس سلسلے میں حضور اکرمؐ کی ایک حدیث کا ذکر کیا ہے ۔ ایک روز نبی کریمؐ

---

۳۶- ''مثنوی شریف'' ، دفتر اول ، ص ۸۳ ۔
۳۷- ایضاً ، ص ۸۶ ، ''کتابِ مثنوی'' ، ص ۸۸ ۔

مسجد کے ایک گوشے میں تشریف فرما تھے - اسی اثنا میں ایک شخص مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا - حضورؐ اسے دیکھتے رہے - وہ نماز سے فارغ ہو کر حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا - حضورؐ نے فرمایا ، اٹھو اور نماز پڑھو ، تم نے نماز ادا نہیں کی - وہ اٹھا اور دوبارہ نماز پڑھ کر حاضر خدمت ہوا - حضورؐ نے پھر وہی کچھ فرمایا - آخر اس نے عرض کیا ، حضورؐ آپ مجھے نماز کی تعلیم دیں - چنانچہ رسول پاکؐ نے اسے نماز کی شرائط بتائیں -[۳۸]

مولانا ریاکاروں ، مقلدوں اور نقالوں کے ہاتھوں دین کو پہنچنے والے نقصان پر اظہارِ افسوس کرتے ہیں - ان کے نزدیک بے عقل دین داروں کی عبادت اس بہرے آدمی کی طرح ہے جو ایک بیمار ہمسائے کی عیادت کو ، گھر سے چند سوال اور ان کے متوقع جوابات سوچ کر گیا ، لیکن وہاں معاملہ اس کے برعکس ہوا - اس کی غلط عیادت سے مریض کو ذہنی کوفت ہوئی ، لیکن بہرا اپنے خیال میں کامیاب عیادت کر کے گھر لوٹا - مولانا کے مطابق جاہل اور بے عقل دین داروں کی عبادت بھی بہرے کی عیادت کی طرح برعکس نتائج کی حامل بنتی ہے - وہ سمجھتے ہیں کہ خدا ان کی عبادت سے خوش و راضی ہو رہا ہے لیکن حقیقت میں خدا ان سے زیادہ ناخوش ہوتا ہے :

بس کسان کایشان عبادتها کنند — تا برضوان و ثواب آن زنند
خود حقیقت معصیت باشد خفی — بس کدر کافرا تو پنداری صفی
همچو آن کر کو همی پنداشت ست — که نکوئی کرد و آن خود بد بُد است
او نشسته خوش که خدمت کرده ام — حق همسایه بجسا آورده ام
بهر خود او آتشی افروخته است — در دل رنجور و خود را سوخته است
فاتقوا النار التی اوقدتم[۳۹] — انکم فی المعصیته از ودتم
گفت پیغمبر یک صاحب ریا — صل انک لم تصل یا فتحل
از بر ای چارهٔ این خوف ها — آمد اندر هر نمازی اهدنا

---

۳۸- ''مثنوی شریف'' ، دفتر اول ، حاشیہ ، ص ۸۷ -

۳۹- اشارہ ہے سورۂ بقرہ کی اس آیت کی طرف جس میں کہا گیا ہے کہ اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جو کفار کے لیے تیار کی گئی ہے -

کاین نمازم را میامیز ای خدا ‏ ‏ ‏ با نماز ضالین و اہلِ ریا
و ز قیاسی کہ بکرد آن کر گزین ‏ ‏ ‏ صحبت دہ سالہ باطل شد بدین[۴۰]

حضور نبی کریم اور حضرت زید رض کے درمیان گفتگو (دفتر اول) کے ذیل میں رسول اکرم ص کا کسی قدر تفصیل سے ذکر آیا ہے ۔ اس حصے میں زمان و مکان کی بحث آ گئی ہے ۔

ایک صبح پیغمبر خدا صلعم نے حضرت زید رض بن حارث سے فرمایا کہ تم کس حال میں ہو اور تمھاری صبح کس طرح ہوئی ؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس حال میں کہ میں عبدِ مومن تھا ۔ اس پر حضور ص نے فرمایا کہ تمھارے باغِ ایمان میں اگر کوئی پھول کھلا ہو تو بتاؤ ۔ وہ رض بولے : میں مدتوں پیاسا رہا ہوں اور راتوں کو عشق و سوز کے باعث سویا نہیں ۔ نتیجۃً میں روز و شب (زمان) کے چکر سے اس طرح نکل گیا جس طرح نیزے کی انی ڈھال میں سے گذر جاتی ہے ، یعنی میں زمانے سے الگ رہا ہوں ، اس لیے کہ اس روز و شب کے اُس طرف ایک ہی ملت یعنی وحدت ہے جہاں لاکھوں برس اور ایک ساعت میں کوئی فرق نہیں ، دوسرے لفظوں میں وہاں تعدد و تعین نہیں ۔ اس جگہ ازل اور ابد جو ''لا ابتدا لہ'' اور ''لا انتہا لہ'' سے متصف ہیں ، ایک ہی سلکِ وحدت میں منسلک ہیں ، اور عقل و دانش وہاں کسی گم شدہ کو تلاش کرنے سے عاجز ہے ، مطلب یہ کہ جو کیفیات ازل میں تھیں وہ بھی وہاں موجود ہیں اور جو ابد تک ہوں گی وہ بھی حاضر ۔

نبی کریم ص نے فرمایا : تم جو یہ راہ طے کر آئے تو وہاں سے کوئی تحفہ بھی لائے ہو ؟ اگر ایسا ہے تو وہ تحفہ اس دنیا والوں کی سمجھ بوجھ اور عقل و فہم کے مطابق و موافق ہونا چاہیے ۔ حضرت زید رض نے جواب دیا کہ جس طرح عام لوگ آسمان کو دیکھتے ہیں میں اسی طرح عرش اور اہلِ عرش کو دیکھتا ہوں ۔ میرے سامنے آٹھوں بہشت اور ساتوں دوزخ ایسے ہی ظاہر ہیں جیسے کسی بت پرست کے سامنے بت ، اور مخلوقِ خدا میں سے ایک ایک کو میں اس طرح جانتا پہچانتا ہوں جس طرح گندم اور جو کو چکی میں ۔ بہشتی کون ہے اور

---

۴۰۔ ''کتابِ مثنوی'' ، ص ۸۹ : ''مثنوی شریف'' ، ص ۸۷ ۔

یکائنہ کون ؟ سب میرے سامنے اس طرح ظاہر و عیاں ہیں جس طرح سانپ اور مچھلی :

گفت پیغمبر صباحی زید را — کیف آصبحت ای رفیق با صفا
گفت "عبداً مومناً" باز اوش گفت — "گو نشان از باغ ایمان گر شگفت"
گفت "تشنہ بودہ ام من روز ہا — شب نخفتستم ز عشق و سوزہا
تا ز روز و شب جدا گشتم چنان — کہ ز اسپر بگذرد نوک سنان
کہ از آن سو جملہ ملت یکی است — صد ہزاران سال و یکساعت یکیست
ہست ازل را و ابد را اتحاد — عقل را رہ نیست سوی انتقاد"
گفت "ازین رہ کو رہ آوردی بیار — در خور فہم و عقول این دیار"
گفت "خلقان چون ببینند آسمان — من ببینم عرش را با عرشیان
ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من — ہست پیدا ہمچو بت پیش ثمن"[۴۱]

اس کے بعد چند اشعار میں مولانا نے شقی و سعید مخلوق سے بحث کی اور پھر جواب زیدؓ کی طرف رجوع کیا ہے ۔ زید کہتے ہیں کہ قیامت کے دن کی طرح میں تمام مرد و زن کی کیفیت کو برملا اور ظاہر دیکھ رہا ہوں ۔ اب حضورؐ فرمائیں کہ میں بیان جاری رکھوں یا خاموش ہو جاؤں ۔ نبی کریمؐ نے دندانِ مبارک سے اپنا ہونٹ دبایا جس کا مطلب تھا خاموش ہو جاؤ ۔ زید پھر بولے : یا رسول اللہ ! حشر کا کچھ تو راز بیان کروں اور اس طرح دنیا میں آج ہی نشر پیدا کر دوں ۔ حضورؐ مجھے ذرا اجازت فرمائیں تاکہ میں راز کے پردے چاک کر ڈالوں اور اس طرح میری ذات کا گوہر آفتاب کی مانند چمکے ۔ میرے بیان سے خورشید گرہن پکڑے اور میں نخل اور بید کو ظاہر کر دوں یعنی فلاں کھجور کی طرح پھل سے پر ہے اور فلاں بید کی طرح بغیر پھل کے ہے ۔ حضورؐ مجھے اجازت فرمائیں کہ میں روزِ حشر کی کیفیت کھول کر بیان کر دوں جس سے ہر کسی کا کھرا کھوٹا ظاہر ہو جائے گا ۔ اصحابِ شمال ـــ گنہگار لوگ ، قیامت کے روز جن کے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا ـــ کی ہلاکت کی کیفیت ظاہر

---

۴۱۔ "کتابِ مثنوی" ص ۹۲ ؛ "مثنوی شریف" ، دفتر اول ، ص ۸۹ ، ۹۰ ۔

کیوں جس سے ان پر اپنا کفر و ضلال و خرابی روشن ہو جائے ۔ نفاق کے سات سوراخ[۴۲] ایسے چاند کی روشنی میں کھول دوں جو گرہن اور تحت الشعاع سے پاک ہے ۔

زیدرض اسی طرح قیامت کے روز اصفیا و اشقیا کی جزا و سزا کے نتیجے میں ان کے درجات وغیرہ (یہ سب گویا قرآن کریم سے ماخوذ ہیں) کا ذکر اور اُنھیں ظاہر کرنے یا ان پر روشنی ڈالنے کا دعوی کرتے ہیں ۔ پھر کہتے ہیں کہ یہ تو میں صرف دور کے اشارے بیان کر رہا ہوں کیونکہ مجھے رسول اکرمص کی ناراضی کا خوف ہے ۔ غرض ، بقول مولانا ، زیدرض مدہوش و مست اسی طرح باتیں کیے جا رہے تھے کہ حضور نے ان کا گریبان بند کر دیا اور ایسی باتوں سے منع فرمایا ۔ پھر فرمایا کہ تمھارا اسپِ گفتار بہت تیز و گرم ہو گیا ہے ۔ اس کو تھامو ۔ تم پر "لایستحی"[۴۳] کا عکس پڑا جس سے تمھاری شرم جاتی رہی ۔ تمھارا آئینۂ قلب غلاف سے باہر نکل آیا ہے ، اور ظاہر ہے آئینہ اور میزان کبھی غلط نہیں کہتے ۔ آئینہ صورت کے سب عیب و نقص ظاہر کر دیتا ہے ۔ یہ دونوں کسی کے رنج یا حیا کا کب خیال کرتے ہیں ؟

اب مولانا آئینہ و میزان کی طرف متوجہ ہو کر ان کی حقیقت نمائی پر بڑی روانی سے ، مختلف تمثیلات کے ساتھ ، اظہار خیال کرتے چلے گئے ہیں اور رسول کریمص اور زیدرض کی گفتگو کے واقعہ کو درمیان میں چھوڑ کر حضرت لقمان پر ان کے ساتھی غلاموں کی تہمت کا قصہ بیان کرنے لگتے ہیں :

---

۴۲۔ بقول بعض کے کبر ، حسد ، شہوت ، بخل ، غضب ، حقد اور حرص ، بعض کے مطابق شرک باللہ ، سحر ، قتل ، حرام ، زنا ، سود ، یتیم کا مال کھانا اور کفار سے لڑائی سے بھاگنا ۔ ہفت سوراخ سے مراد دوزخ کے سات درجات بھی ہیں (مولوی عبدالمجید پیلی بھیتی ، کتاب مذکورہ ، ص ۳۴۳) ۔

۴۳۔ اشارہ ہے سورۂ احزاب کی اس آیت کی طرف : ان ذالکم کان یؤذی ۔ ۔ ۔ (اس بات سے نبیص کو ناگواری ہوتی ہے ۔ سو وہ تمھارا لحاظ کرتے ہیں (شرماتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ صاف صاف بات کہنے سے نہیں شرماتا ۔ ۔ ۔ الخ ۔ بقول صاحبِ "بوستانِ معرفت" ، یہ اشارہ ہے سورۂ بقرہ کی آیت ۲۶ کی طرف جس میں کہا گیا ہے کہ بے شک اللہ نہیں شرماتا اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال بھی خواہ مچھر کی ہو خواہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو ۔ ۔ ۔ الخ ۔

جمله را چون روز رستاخیز من / فاش می بینم عیان از مرد و زن
هین بگویم یا فرو بندم نفس / لب گزیدش مصطفیٰ یعنی که بس
یا رسول الله بگویم سر حشر / در جهان پیدا کنم امروز نشر
هل مرا تا پرده ها را بر درم / تا چو خورشیدی بتابد گوهرم
تا کسوف آید ز من خورشید را / تا نمایم نخل را و بید را
وا نمایم راز رستاخیز را / نقد را و نقد قلب آمیز را
دست ها ببریده اصحابِ شمال / وا نمایم رنگ کفر و رنگ آل
وا گشایم هفت سوراخ نفاق / در ضیاء ماه بی خسف و محاق
وا نمایم من پلاس اشقیا / بشنوانم طبل و کوس انبیا
دوزخ و جنات و برزخ درمیان / پیش چشم کافران آرم عیان
وا نمایم حوض کوثر را بجوش / کاب بر روشان زند بانگش بگوش

* * *

اہلِ جنت پیش چشمم ز اختیار / درکشیده یک بیک را در کنار
دست یکدیگر زیارت می کنند / وز لبان هم بوسه غارت میکنند

* * *

این اشارتها ست گویم از نغول / لیک می ترسم ز آزار رسولؐ
همچنین میگفت سرمست و خراب / داد پیغمبرؐ گریبانش بتاب
گفت "ہین درکش که اسپت گرم شد / عکس حق لا یستحی زد شرم شد
آینهٔ تو جست بیرون از غلاف / آینه و میزان کجا گوید خلاف۴۴

اگلے عنوان کی رعایت سے بظاہر اب پھر رجوع بمقصد مذکور ہے، لیکن آغاز میں مولانا یہ کہہ کر کہ زیدرضؓ! براقِ ناطقہ کی باگ روک لے، زبان کی فضیحت پر نکتہ آفرینی کرنے لگتے ہیں کہ کس طرح یہ غیب کے پردے چاک کرتی اور دوسروں کے عیب ظاہر کرتی ہے۔ اس ضمن میں ایک حکایت بیان کر کے گویا دوبارہ اصل موضوع کی جانب لوٹتے ہیں مگر اس مرتبہ بھی خیالات و افکار کا تیز بہاؤ انہیں صرف عنوان کی حد تک قابو رکھ کر دوسرے رخ پر

۴۴۔ "کتابِ مثنوی"، ص ۹۲، ۹۳۔

بہا لے جاتا ہے ، یعنی عنوان تو یہ جایا گیا ہے کہ ''پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا زید سے کہنا کہ اس بھید کو فاش تر نہ کہو'' لیکن متن میں نبی کریم کی اس حدیث کی تفسیر بیان کی گئی ہے : ''میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں ۔ تم ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے'' اور اس طرح اس حصے میں بھی خیرالانام کا ذکر خیر آ گیا ہے ۔

مولانا کہتے ہیں کہ پیغمبر صلعم نے فرمایا : میرے صحابہؓ نجوم ہیں ۔ وہ رہ رووں کے لیے شمع اور شیطان کے لیے رجوم ہیں ۔ حضورؐ کی اس تشبیہ کی بنا پر مولانا فرماتے ہیں کہ ''آفتابِ حقیقت خدا ہے جس کی تجلی براہ راست انسانوں کے لیے نظارہ سوز ہو جاتی اگر خدا اپنا نور انبیا میں منعکس کر کے عام لوگوں کو نہ پہنچاتا ۔ خدا آفتاب ہے اور نبی مانند ماہتاب ہے جو آفتاب سے نور حاصل کر کے اس کو انسانی آنکھوں کے لیے قابل برداشت بنا دیتا ہے ۔ ہر نبی بشر ہوتا ہے ۔ خدا کا نور اس بشریت میں منعکس ہو کر انسانوں کے لیے ظلمت ربا بنتا ہے ۔ بشر کو فیض بشر ہی کی وساطت سے پہنچ سکتا ہے ۔ انبیا سے کم نور ستاروں کا سا نور ہے جو مجموعی طور پر بھی چاند کے برابر روشنی نہیں دے سکتے ، لیکن بہر حال کسی قدر تاریکی کو دور کرتے ہیں اور راتوں میں چلنے والوں کو سمت اور وقت کا پتا دیتے ہیں ۔''۴۵

گفت پیغمبر کہ اصحابی نجوم — رہروانرا شمع و شیطان را رجوم
ہر کسی را گر بُدی آن چشم و زور — کہ گرفتی ز آفتاب چرخ نور
کی ستارہ حاجت استی ای ذلیل — کہ بود بر نور خورشید او دلیل
ہیچ ماہ و اختری حاجت نبود — کہ بود بر آفتاب حق شہود
ماہ میگوید بابر و خاک و فی — من بشر بودم ولی یوحی الی۴۶
چون شما تاریک بودم از نہاد — وحی خورشیدم چنین نوری بداد
ظلمتی دارم بہ نسبت باشموس — نور دارم بہر ظلمات نفوس

۴۵۔ خلیفہ عبدالحکیم ، کتاب مذکور ، ص ۱۵۰ - ۱۵۱ ۔

۴۶۔ سورۂ کہف کی ایک آیت کی طرف اشارہ ہے : ''اے محمد ! آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں اور مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود خدائے واحد ہے ۔''

ز آن ضعیفم تا تو تابی آوری کہ نہ مرد آفتاب انسوری[۴۷]

آخر میں یہ کہہ کر داستانِ زیدؓ و حضور اکرمؐ ختم کر دی ہے کہ ایسے اسرار بیان کرنا دانائی نہیں ، اس لیے کہ اس سے محشر بپا ہو جاتا ہے (بقول بابا بلھے شاہ : ع سچ آکھاں بھانبڑ مچدا اے[۴۸]) ۔ اب زیدؓ کہاں رہا وہ تو بھاگ گیا ۔ تم کون ہوتے ہو اس کو پانے والے ، وہ خود ، اس ستارے کی مانند جس پر خورشید ضوفشاں ہوا ، اپنے آپ کو نہ پا سکا :

این سخن پایان ندارد زید کو تا دہم پندش کہ رسوائی مجو
نیست حکمت ، گفتن این اسرار را چون قیامت میرسد اظہار را
زید را اکنون نیابی کو گریخت جست از صف نعال و نعل ریخت
تو کہ باشی زیدہم خود را نیافت ہمچو اختر کہ بر او خورشید تافت[۴۹]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے متعلق نبی آخر الزمانؐ کی ایک پیش گوئی بیان کرتے ہوئے حضورؐ کو پیغمبر کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے ۔ اس حصے میں اس موضوع پر اظہار خیال ہے کہ جو کچھ کسی کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے وہ بدلا نہیں جا سکتا ، اور اللہ کے خاص بندوں نے اس معاملے میں ہمیشہ سرِ تسلیم خم کیا ہے ۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلعم نے میرے رکاب دار سے کہا کہ علیؓ کا قتل تمہارے ہاتھوں ہوگا ۔ اُس نے یہ بات مجھ سے بیان کر دی ۔ پھر وہ کہنے لگا کہ آپؓ (علی) اس سے پہلے ہی میری گردن اڑا دیں تا کہ مجھ سے یہ گناہ سر زد نہ ہو ۔ حضرت علیؓ نے اس سے کہا کہ جب میری موت تیرے ہاتھوں ہی لکھی ہے تو میں قضا کو کیونکر ٹال سکتا ہوں ۔ رکاب دار نے پھر اپنی اس بات پر بڑا اصرار کیا تا کہ اسے انجامِ بد سے دو چار نہ ہونا پڑے ۔ حضرت علیؓ نے ''جف القلم'' کا حوالہ دیا (یعنی مقدر میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس میں تغیر و تبدل نہ ہوگا) اور فرمایا کہ تیرے معاملے میں میرے

---

۴۷- ''کتابِ مثنوی'' ، ص ۹۵ ۔
۴۸- ''قانونِ عشق'' ، حصہ دوم ، ص ۱۹۰ ۔
۴۹- ''کتابِ مثنوی'' ، ص ۹۵ ۔

دل میں کوئی بغض نہیں ، اس لیے کہ اس فعل کا فاعل دستِ حق ہے - تو محض ایک وسیلہ ہے - پھر میں اُس پر کیونکر طعن و تشنیع کر سکتا ہوں :

گفت پیغمبرؐ بگوش چاکرم — کو برد روزی ز گردن این سرم
کرد آگہ آن رسول از وحی دوست — کہ بلاکم عاقبت بر دست اوست
او ہمی گوید بکش پیشین مرا — تا نیاید از من این منکر خطا
من ہمی گویم چو مرگ من ز تست — با قضا من چون توانم حیلہ جست
او ہمی افتد بہ پیشم کای کریم — مر مرا کن از برای حق دو نیم
تا نیاید بر من این انجام بد — تا نسوزد جان من بر جان خود
من ہمی گویم برو جف القلم — زین قلم بس سرنگون گردد علم
ہیچ بغضی نیست در جانم ز تو — ز آنکہ این را من نمی دانم ز تو
آلت حق تو ، فاعل دست حق — چون زنم بر آلت حق طعن و دق[۵۰]

دفتر اول کے آخر میں بھی حضورؐ کو پیغمبرؐ کے لفظ سے یاد اور آپ کا ذکرِ خیر کسی قدر تفصیل سے کر کے یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضورؐ نے جو فتح مکہ وغیرہ کے لیے جہاد کیا تو اس سے حضورؐ کی کوئی دنیاوی غرض یا سلطنت کی خواہش نہ تھی کیونکہ حضورؐ نے خود ہی فرمایا ہے کہ یہ دنیا مردار ہے اور اس کا طالب کتا ہے - مولانا اس کی تشریح و تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضور پر فتح مکہ کے سلسلے میں حبِ دنیا کی تہمت کیونکر لگائی جا سکتی ہے - آپؐ کی ذاتِ والا صفات نے تو آزمائش کے موقع (معراج) پر ہفت آسمانوں کے خزائن سے بھی اعتنا نہ کیا - آپؐ ایسی ذات اقدس ہیں کہ اس موقع پر محض آپ کے نظارۂ جمال کے لیے تمام افلاک کے آفاق حورانِ جنت سے پر ہو گئے - قدسی حضورؐ کی خاکِ راہ پر لوٹ لوٹ گئے ، اور یوسفؑ ایسے سینکڑوں اصحابِ جمال حضورؐ کے چاہِ محبت میں گرفتار ہوئے - ان سب نے اس ذاتِ گرامی کے لیے خود کو آراستہ پیراستہ کر رکھا تھا ، لیکن حضورؐ کو دوست کے سوا کس کی پروا ؟ حضورؐ ایسی عظمت و بزرگی اور اجلالِ حق سے پر تھے جس میں اہل اللہ و مخلوقِ خدا کو دخل نہ تھا - - - - اس کے بعد مولانا نے حضور اکرم

---

۵۰- ایضاً ، ص ۱۰۰ -

کی یہ حدیث مبارک پیش کی ہے کہ میرا اپنے خدا کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے جس میں کوئی نبی مرسل ، کوئی فرشتہ اور روح وغیرہ نہیں سماتے ۔ ۔ ۔ ۔

اس حدیث کا ایک حصہ پیش کر کے مولانا فرماتے ہیں کہ اب تم اسی سے حضور ختمی مرتبت کی بزرگی و عظمت کا اندازہ لگا لو ۔ پھر مولانا نبی کریمؐ کی دنیوی مال و جاہ سے بے اعتنائی کو مختلف امثال سے واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب افلاک و عقول کے خزائن حضورؐ کی نظروں میں ہر گاہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے تو اس مکہ و شام و عراق کی کیا وقعت تھی جس کی خاطر حضورؐ کسی غزوہ یا جہاد کی طرف مائل ہوتے ؟ درحقیقت جو لوگ حضورؐ کے بارے میں ایسا گمان رکھتے ہیں (کہ حضور نے دنیا کے لیے جہاد کیا) ان کا ضمیر برائیوں کی آماج گاہ ہے ، اور ان کا یہ سارا قیاس ان کے جہل و حرص پر مبنی ہے ۔ ایسے لوگوں کی مثال زرد آبگینہ کی طرح ہے جسے جب آنکھوں سے لگایا جائے تو آفتاب کی روشنی زرد ہی نظر آئے گی ۔ مولانا اس زرد و کبود شیشہ (حرص و جہل) کو توڑنے کی تلقین کرتے ہیں تاکہ ''گرد'' اور ''مرد'' میں پہچان کی جا سکے ۔ گرد وغیرہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے مولانا نے شیرِ دنیا اور شیرِ مولیٰ کی بحث چھیڑی ہے اور پھر یہ کہا ہے کہ شیرِ حق موت کا طالب ہے کہ اس کی بدولت آگے چل کر اسے کئی وجود عطا ہوتے ہیں ۔

اس کے بعد مولانا نے قرآن کریم کی ایک آیت کے حوالے سے ، جس میں حضورؐ کا بالواسطہ طور پر ذکر آ گیا ہے ، یہودیوں کی آزمائش کا تذکرہ چھیڑا ہے ۔ آیت کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ (اے محمدؐ !) آپ یہودیوں سے کہ دیجیے کہ اگر تم لوگ خود کو خدا کے خاص بندے سمجھتے ہو تو موت کی تمنا کرو ۔ مولانا آرزوے مرگ کو انتہائی سود مند قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب محمدؐ صلعم نے یہ علم (یہودیوں سے تمنائے مرگ کا ذکر) بلند کیا تو یہودیوں میں اس کا زہرہ کہاں ؟ اگر وہ یہ تمنا زبان پر لے آتے تو اپنے آپ ہی مر جاتے ، کوئی یہودی باقی نہ بچتا ۔ چنانچہ یہودی خوب مال و خراج لے کر حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ ہمیں رسوا نہ کیجیے گا ۔ اور اس کے بعد وہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو گئے اور خوش و خرم زندگی بسر کرنے لگے :

جہد پیغمبرؐ بفتح مکہ ہم کی بود در حب دنیا متہم

آنکه او از مخزن هفت آسمان — چشم دل بربست روز امتحان
از پی نظارهٔ اش حور جنان — بر شده آفاق پر هفت آسمان
قدسیان افتاده بر خاک رهش — صد چو یوسف اوفتاده در چهش
خویشتن آراسته از بهر او — خود ورا پروای غیر دوست کو
آنچنان پر گشته از اجلال حق — کاندرو هم ره نیابد آل حق
لایسع فیها نبی مرسل — و الملک والروح ایضاً فاعقلوا
گفت ما زاغیم ، همچون زاغ نی — مست صباغیم مست باغ نی
چونکه مخزنهای افلاک و عقول — چون خسی آمد بر چشم رسول
پس چه باشد مکه و شام و عراق — که نماید او نبرد و اشتیاق
آن گمان بر وی ضمیری بد کند — کو قیاس از جهل و حرص خود کند
ز آبگینهٔ زرد چون سازی نقاب — زرد بینی جمله نور آفتاب
بشکن آن شیشهٔ کبود و زرد را — تا شناسی گرد را و مرد را
شد هوای مرگ طوق صادقان — که جهودان را بُد آلدم امتحان
ور نبی فرمود کای قوم یهود — صادقانرا مرگ باشد برگ و سود
همچنان که آرزوی سود هست — آرزوی مرگ بردن زان بهست
ای جهودان بهر ناموس کسان — بگذرانید این تمنا بر زبان
یک جهودی اینقدر زهره نداشت — چون محمدؐ این علم را بر فراشت
گفت اگر رانید این را بر زبان — یک یهودی خود نماند در جهان
پس یهودان مال بردند و خراج — که مکن رسوا تو مارا ای سراج
جزیه پذرفتند و می بودند شاد — همچنان والله اعلم بالرشاد[۵۱]

مذکورہ بالا مقامات کے علاوہ دفتر اول کے درج ذیل مقامات پر بھی حضور اکرمؐ کا ذکر خیر کسی نہ کسی صورت میں آ گیا ہے :

"رنجیدن شیر از دیر آمدن خرگوش" ("مثنوی شریف" ص ۳۱) :

از درمها نام شاهان برکنند — نام احمدؐ تا قیامت می زنند

---

۵۱- ایضاً ، ص ۱۰۳ -

نام احمد<sup></sup>ؐ نام جملہ انبیا ست چونکہ صد آمد نود ہم پیش ما ست

''ہم در بیان مکر خرگوش و تاخیر او در رفتن'' (ایضاً ، ص ۳۲) :

پس ترا ہر لحظہ مرگ و رجعتی ست مصطفیٰؐ فرمود ''دنیا ساعتی ست''

مولانا اشرف علی تھانوی اس حصے کے چند اشعار کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے ایک جگہ رقم طراز ہیں : ''بندہ راقم کہتا ہے کہ مجھ کو اس حدیث کی تحقیق نہیں اور نیز یہ معنی خلاف متبادر ہیں ۔ ظاہر معنی اس قول کے یہی ہیں کہ دنیا ناپائداری میں مثل ایک ساعت کے ہے ۔ لیکن اس حدیث کا نہ ہونا یا اس کے یہ معنی نہ ہونا اصل مسئلہ میں مضر نہیں کیونکہ یہ مسئلہ کشفی ہے ، کشف کے لیے ثابت بالنقل ہونا ضروری نہیں ۔ البتہ مخالفِ نقل نہ ہونا ضروری ہے ۔ ۔ ۔ ۔''[۵۲]

**''پا وا پس کشیدن خرگوش از شیر چون نزدیک چاہ رسید''** (''مثنوی شریف'' ، ص ۳۵) :

گفت پیغمبر بہ تمییز کسان مرء مخفی لدیٰ طی اللسان[۵۳]

نیز ملاحظہ ہو ''مثنوی شریف'' ، ص ۴۳ (گفت پیغمبر ۔ ۔ ۔ الخ) ، ص ۴۵ ، (خذتمو ۔ ۔ ۔ الخ) و ''کتاب مثنوی'' ، ص ۶۶ ، ۷۰ ، ۷۱ و ۷۳ ۔

## مآخذ


۱۔ قرآن مجید ، مطبوعہ تاج کمپنی ، لاہور ۔
۲۔ ''مثنوی شریف'' مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور ۱۳۳۲ھ ۔
۳۔ ''کتابِ مثنوی'' بخط و تصحیح سید حسن بن مرحوم سید مرتضیٰ ، میر خانی ، تہران ۔
۴۔ مکتوبات مولانا جلال الدین محمد مشہور بمولوی بکوشش یوسف جمشیدی پور ، غلام حسین امین ۔ تہران ، ۱۹۵۶ ۔


---

۵۲۔ مولانا اشرف علی تھانوی ، کتاب مذکور ، ص ۱۵۵ ۔

۵۳۔ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو ، ایضاً ، ص ۱۵۸ ۔

۵- حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ، ''التکشف عن مہمات التصوف'' لاہور ، ۱۹۶۰ -
۶- مولوی عبدالمجید پیلی بھیتی ، ''بوستانِ معرفت'' ، نولکشور ، لکھنؤ ، ۱۹۳۷ -
۷- ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ، ''تشبیہاتِ رومی'' ، ادارۂ ثقافت اسلامیہ ، لاہور ، ۱۹۵۹ -
۸- ''قانونِ عشق'' -
۹- ''غیاث اللغات'' -

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

# کا مطلب اقبال کی زبانی*

کائناتِ عالم میں زندگی کی لہر کو میں ایک وسیع سمندر تصوّر کرتا ہوں جس میں چھوٹی چھوٹی موجیں نامعلوم طور پر معرضِ وجود میں آتی ہیں - یہ موجیں محدود اور غیر مشترک انفرادی حیثیتوں میں ایک دوسرے سے ایسا ربط رکھتی ہیں جو بظاہر نظر نہیں آتا - ہر موج بجائے خود ایک عالم ہے (لب نیز [Leibniz] ، تاہم وہ اپنے جیسے دوسرے عالموں کے ساتھ مربوط ہے (برگساں [Bergson]) - زندگی کے ان دو ابتدائی اور اصولی نظریوں کو قائم کرنے میں یورپ کے فلسفیوں کو کئی صدیاں درکار ہوئیں ، لیکن قرآن مجید اس نظریے کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ ظاہر کرتا ہے : و خلقنکم فی نفسِ واحدۃ (اور ہم نے پیدا کیا تم کو نفسِ واحد سے) - یہ ظاہر ہے کہ ہر موج سمندر میں رہ کر اپنی انفرادی حیثیت قائم رکھتی ہے اور سمندر سے الگ ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے - تھوڑے سے غور سے یہ بات معلوم ہوگی کہ ہر فرد افراد کے اس مجمعِ عظیم میں اپنے ماحول کا کس قدر ممنون ہے - جسم جو ہماری ہستی کو مادی مفہوم میں بطور خرد کے مشخص کرتا ہے ، زبان جو ہم بولتے ہیں ، لباس جو ہم پہنتے ہیں اور بڑی حد تک خیال جو ہم سوچتے ہیں اور مذہب جس پر ہم اپنی زندگی کو منحصر رکھتے ہیں ، وہ سب اسی جماعت کے اوضاع و اطوار کے پابند ہیں جس میں کہ ہم پیدا ہوتے ہیں -

---

*منقولہ از بشیر احمد ڈار ، مرتب ، "انوارِ اقبال" (لاہور ، اقبال اکادمی ، ۱۹۷۷) ، ص ۳۳ - ۳۴ - فاضل مرتب نے یہ نہیں بتایا کہ انھوں نے یہ اقتباس کہاں سے لیا -